جُمادی الاُولیٰ۔ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ
جنوری۔ مارچ ۲۰۱۹ء

سہ ماہی

حکمت قرآن

لاہور

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مرکزی انجمن خُدّامُ القُرآن لاہور

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

خاص ایڈیشن

- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ آفسٹ پیپر
- بڑے سائز میں
- عمدہ طباعت
- مضبوط جلد

سات جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 4200 روپے

عوامی ایڈیشن

- کتابی سائز
- پیپر بیک بائنڈنگ
- امپورٹڈ بک پیپر
- عمدہ طباعت
- دیدہ زیب ٹائٹل

چھ جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 2200 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

اِس شمارے میں

حرفِ اوّل

ایں خیال است ومحال است وجنوں!	حافظ عاطف وحید	3

حکمتِ نبویؐ

چنداوامرونواہی	پروفیسرمحمد یونس جنجوعہ	10

تذکّر و تدبّر

مِلاكُ التأويل (۱۲)	ابوجعفراحمد بن ابراہیم الغرناطی	13

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید‘ مع صرفی ونحوی تشریح	افاداتِ حافظ احمد یارؒ	25

فکر و نظر

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ	پروفیسرحافظ احمد یارؒ	39

حُسنِ معاشرت

اسلامی ضابطۂ میراث واستحقاقِ میراث (۳)	پروفیسرحافظ قاسم رضوان	55

کتاب نُما

تعارف وتبصرہ	پروفیسرمحمد یونس جنجوعہ	65

بیانُ القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایں خیال است و محال است و جنوں!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید‘ فرقان حمید میں دین اسلام کی کاملیت اور اکملیت کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ﴾ (المائدۃ:۳)

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔‘‘

بلاشبہ یہ ایک ایسا اعزاز ہے جس پر حاملینِ دینِ متین جتنا فخر کریں کم ہے‘ جتنا ناز کریں کم ہے۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دورِ حاضر کے مختلف فتنوں نے ہمارے اس اعزاز کو معذرت خواہانہ سوچ اور رویّے میں بدل دیا ہے۔ چنانچہ اسلام پسند طبقات میں ایسے افراد اور گروہ وجود میں آ گئے ہیں جنہیں ’’بائیں بازو‘‘ کے قرار دینا زیادہ موزوں ہے۔ ان کی سوچ سیکولر اور فکر لبرل ہے‘ سیاسی دینداری جمہوریت پر مبنی‘ البتہ مذہبی وابستگی اسلام کے ساتھ ہے۔ ان اسلام پسندوں کو ہر وہ بات بھلی لگتی ہے جو جدید رجحانات کے موافق ہو اور جس میں ٹھیٹھ اسلامی اقدار‘ شریعت کے احکام اور اسلاف کی روایات پر زد پڑتی نظر آئے۔ اس طرزِ فکر کے حاملین کو کبھی کبھار اُن باتوں کی تائید کرنا اور اپنے جدیدیت پر مبنی رجحانات کے حق میں استعمال کرنا بھی مفیدِ مطلب ہوتا ہے جو بعض رسوخ فی العلم کے حامل روایت پسند (آرتھوڈاکس) اہلِ علم کی جانب سے سامنے آئیں‘ البتہ جن کے علم و فکر سے ہمیشہ بائیں بازو کے اسلام پسندوں کو بے اطمینانی ہی رہتی ہے۔

چونکہ اِن اسلام پسندوں کو ریاستی حلقوں میں خصوصی مقام و مرتبہ حاصل ہے اسی لیے میڈیا اور ریاستی اداروں میں ان کی رائے کو نمایاں کر کے دکھایا جاتا ہے تاکہ عوام کی بھی انہی خطوط پر تربیت ہو سکے۔ 9/11 کے بعد سے اس رجحان میں شدت پیدا ہو چکی ہے اور روایت سے بغاوت فیشن بن چکا ہے۔

اسلام کے فکر و فلسفہ اور نظامِ معیشت و معاشرت و سیاست کے باب میں رسول اللہ ﷺ کے آخری خطبے یعنی خطبہ حجۃ الوداع کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ اس خطبہ کو اہلِ نظر نے انسانی تاریخ کا سب سے عظیم اور موثر اعلامیہ قرار دیا ہے جس میں انسانیت کے اصول ہائے حریت و اخوت و مساوات کے سب سے اعلیٰ اور نمایاں اوصاف بیان ہوئے ہیں۔

۹ ذوالحج ۱۰ ہجری کے خطبۂ حجۃ الوداع میں بیان کردہ دو امور ایسے ہیں جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے التزام اور اہمیت کے اعتبار سے تقریباً ایک جیسا اسلوبِ بیان اختیار فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک معاملہ دورِ جاہلیت کے مقدمہ ہائے قتل وقصاص کا ہے جبکہ دوسرا معاملہ سود (ربا) اور سودی قرضوں کا ہے۔ چنانچہ ان دو امور کے معاملے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ دِمَآءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ، کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا، فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا، فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا ، اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ تَحْتَ قَدَمَیَّ مَوْضُوْعٌ ، وَدِمَآءُ الْجَاهِلِیَّةِ مَوْضُوْعَةٌ ، وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِیْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ ، وَکَانَ مُسْتَرْضِعًا فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَیْلٌ ، وَرِبَا الْجَاهِلِیَّةِ مَوْضُوْعٌ ، وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ، فَاِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ کُلُّهٗ))

(اخرجه مطولا مسلم ۱۲۱۸، وابوداوٗد ۱۹۰۵، وابن ماجه ۳۰۷۴، والدارمی ۱۸۵۰)

''تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی، رواں مہینے کی اور اس شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی، جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون ہے۔ یہ بچہ بنوسعد میں دودھ پی رہا تھا کہ (ان ہی ایام میں) قبیلہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔ اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب یہ سارے کا سارا سود ختم ہے۔''

اُمتِ مُسلمہ کے لیے حُرمتِ ربا کا حکم اس خطبہ سے سات، آٹھ برس قبل ہی غزوۂ اُحد کے موقع پر نازل کردہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۰ کے ذریعے نازل ہو چکا تھا۔ گویا لگ بھگ سات، آٹھ برس کا عرصہ درمیان میں ہے جس میں حرمتِ ربا کے ضمن میں اہم ہدایات، تفصیلی احکام اور متبادل انتظامات سامنے لائے جا چکے تھے۔ مختلف اقسام کے باطل و فاسد طریقہ ہائے بیع وشراء کی وضاحت بھی بیان ہو چکی تھی۔ کئی لین دین اور سودے، سودی قرار دے کر لوٹائے جا چکے تھے اور مسلمانوں کو اس بارے میں انفرادی طور پر متعدد بار تنبیہی پیرائے میں جھنجوڑا جا چکا تھا۔ اور اب گویا وقت آ چکا تھا کہ ریاستِ اسلامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے پیغمبر اسلام ﷺ کی جانب سے سود کے جملہ معاہدات کو null and void قرار دے کر اس استحصالی عنصر کے تابوت میں آخری کیل ٹھوک دی جائے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کے بعد سے اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سودی لین دین کا اسی طرح سے خاتمہ ہو گیا جیسے جزیرہ نمائے عرب سے شرک کا کامل خاتمہ ہوا۔ اور یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ اب اسلام انفرادی معاملات سے آگے بڑھ کر اجتماعیات پر بھی محیط ہو چکا تھا...... ایسا محیط کہ پھر انفرادیت اور اجتماعیت کے مابین من وتو کی قید اور امتیاز ہی باقی نہ رہا۔ بحوائے الفاظِ قرآنی:

﴿اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ

دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣﴾ (المائدۃ)

''آج کفار تمہارے دِین سے نااُمید ہو گئے' خبردار تم اُن سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کیا ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔''

اور اللہ کی رحمت سے کیفیت وہی ہو گئی جو سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں بیان ہوئی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ﴾

''اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو خلافت عطا کی تھی' اور ان کے لیے جس دین کو پسند کیا ہے اس کو ضرور اقتدار بخشے گا اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلے ان کو ضرور امن عطا کرے گا۔''

چاہیے تو یہ تھا کہ قیامِ پاکستان کے بعد جو بھی قانون بنتا یا نظام بنایا جاتا اسے دین اور شریعت کے عین مطابق بنایا جاتا' لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ قائداعظم بھی اسلام کی معاشی تعلیمات کے نفاذ کے ضمن میں اپنی اُس خواہش کو پورا ہوتے نہ دیکھ سکے جس کا اظہار انہوں نے ۱۹۴۸ء میں اسٹیٹ بینک کی عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے کیا تھا۔ بعد والے اس ذمہ داری کو یکسر بھول گئے۔ پھر یہ بات یاد آئی بھی تو اُن مردانِ خدا مست کو جنہیں ہم جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اور ڈاکٹر اسرار احمد (رحمہما اللہ) کے نام سے جانتے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۹۶۹ء میں بینک انٹریسٹ کو سود قرار دیا اور متبادل نظام کا خاکہ بھی پیش کر دیا۔ یوں اللہ کی طرف سے حجت قائم ہونا شروع ہو گئی۔ پھر ۱۹۹۱ء میں فیڈرل شریعت کورٹ نے بھی بینک انٹریسٹ کے ربا المحرم ہونے کا فیصلہ دیا اور ہمیں سنبھلنے' توبہ تائب ہونے کا بھرپور موقع دے دیا۔ لیکن اُس وقت بھی بائیں بازو کے اسلام پسندوں کو مکروہ کھیل کھیلنے کا موقع ملا اور اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ جاری رکھنے پر ہی مصر رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۹۹ء میں شریعت ایپلیٹ بینچ آف سپریم کورٹ آف پاکستان نے بھی فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے حجت کو تمام کر دیا اور ہمیں اپنا قبلہ درست کرنے کا سنہرا اور شاید آخری موقع فراہم کر دیا۔ اب کون پوچھے ہمارے بائیں بازو کے نام نہاد اسلام پسندوں سے' جنہوں نے تمام ضابطوں اور اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ۲۰۰۲ء میں سابقہ دونوں فیصلے کو کالعدم قرار دلوا کر اور معاملے کو از سرِ نو فیڈرل شریعت کورٹ کی جانب ریمانڈ کروا کر رسوائیوں اور تباہیوں کے مہیب دروازے کھلوا دیے' جن کا اثر ہے کہ طرح طرح کی آفات نے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور پوری قوم سودی قرضوں کے ایک ایسے جال میں پھنس چکی ہے جس سے

نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے‘ فیڈرل شریعت کورٹ اُس ریمانڈ شدہ کیس کو لٹکائے جا رہی ہے۔ یعنی جس قضیے کو ۱۹۹۱ء میں فیڈرل شریعت کورٹ نے تین مہینے میں ہی نمٹا دیا تھا‘ اور ۱۹۹۹ء میں سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بینچ نے ساڑھے چار پانچ مہینے کی سماعت میں ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل فیصلہ دے کر ایک طرف لگا دیا‘ اب ۱۶‘۱۷ برس سے ایسے کھینچا اور لٹکایا جا رہا ہے کہ گویا کوئی سرا پکڑائی ہی نہ دیتا ہو۔ ۲۰۱۳ء سے تو یہ کیس باقاعدہ زیر سماعت ہے۔ کبھی jurisdiction کا مخمصہ ہے تو کبھی ربا کی definition کا۔ کبھی اسٹیٹ بینک کے وکیل طے شدہ سماعت میں پیش نہیں ہوتے تو کبھی اٹارنی جنرل یا ڈپٹی اٹارنی جل دے جاتے ہیں۔ اگر ایک طرف کورٹ کے حالیہ اخباری ریمارکس کہ ’’سودی نظام کی مخالفت کرنے والے پہلے ایک مکمل نظام بنا کر پیش کریں‘‘[1] بظاہر حوصلہ و اعصاب شکن ہیں تو دوسری طرف بائیں بازو کے اسلام پسند بھی انتہائی دلفریب انداز میں اس نازک صورت حال سے اپنا الو سیدھا کرنے میں لگے ہیں۔ ملاحظہ ہو ’’سود سے نجات کی خوشخبری‘‘ کے عنوان سے روزنامہ ’’دنیا‘‘ میں جناب خورشید ندیم صاحب کا کالم۔ پڑھیے تو محسوس ایسا ہوتا ہے کہ جیسے یہ ایک معمولی‘ ضمنی اور کسی کا ذاتی سا معاملہ ہو۔ اسلامی بینکاری کے حق میں مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہ کے ایک بیان کی آڑ میں موصوف فرماتے ہیں:

> ’’آج ریاست اور معاشرے کے ایک قابل ذکر طبقے نے جاری بینکاری اور معاشی عمل کے ایک بڑے حصے کو اگر سود سے پاک اور قرآن وسنت کے مطابق قرار دے دیا ہے تو اسلامی یا غیر اسلامی کی بحث کو سیاسی عوامی مسئلہ نہیں بنایا جا سکتا۔ پھر یہ کہنا درست نہیں کہ حکومت یا عوام کی ایک بڑی تعداد معاذ اللہ‘ اللہ اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ پر آمادہ ہے۔ اس باب میں شدت‘ مذہبی انتہا پسندی ہی کی ایک صورت ہے۔ اگر کسی کو ایک رائے سے اختلاف ہے تو وہ مہذب طریقے سے اپنی رائے دے دے‘ یہ معاشرہ ہی ہے جو کسی رائے کو قبول یا مسترد کرتا ہے۔‘‘

ہمارا تاثر یہ ہے کہ صاحبِ کالم کو اپنے لبرل اور سیکولر تعارف پر کچھ خجالت ہے‘ اسی لیے وہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کی صورت میں جیسا تیسا متبادل سامنے آیا ہے اس پر اپنی اسلام پسندی کا ٹھپہ لگوا لیں اور لگے ہاتھوں اُن قدامت پسندوں کو تہذیب‘ ورنہ خاموشی اختیار کرنے کا مشورہ بھی دے دیں جو بینک انٹرسٹ کو ربا الحرم قرار دیتے ہیں اور ربا کی ہر شکل کے خاتمے کو دینی اور آئینی ودستوری تقاضا قرار دیتے ہوئے کسی نہ کسی طور سے مصروفِ عمل ہیں۔ ورنہ اس بات میں کیا شبہ ہے کہ ہمارے ممدوح کالم نگار اُس پورے مذہبی بیانیے سے اختلاف ہی نہیں عناد بھی رکھتے ہیں جس کی نمائندگی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ مولانا کے ایک بیان سے موصوف کو جزئی اور انتہائی واجبی سپورٹ ملتی نظر آئی‘ اس لیے موقع سے فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکے۔

صاحبِ کالم کا یہ فرمانا بھی انتہائی تعجب کا باعث ہے کہ ’’غیر سودی بینکاری کے ساتھ بینکوں کو سود کی بنیاد پر لین دین کی اجازت ہونی چاہیے یا نہیں‘ یہ ایک فنی سوال ہے جس کا کوئی تعلق کسی نظریاتی بحث سے نہیں ہے۔ اس

کا فیصلہ حکومت معروضی حالات کے پیش نظر کرے گی۔ ہمارے سامنے صدرِ اول کی مثال موجود ہے' جب حالات کا تقاضا تھا سود کو گوارا کیا گیا۔ گویا یہ حق حکومت کے پاس ہے اور اسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا''۔ یہ وہی بات ہے کہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ۔ گناہ تو سب سے سرزد ہو جاتے ہیں' عام آدمی قلق محسوس کرتے ہوئے اظہارِ ندامت کرتا ہے اور خود ساختہ مفکّر اس بدعملی کی ''علمی توجیہات'' تراش لیتا ہے۔ جنابِ محترم! یہ عین نظریاتی معاملہ ہے۔ صدرِ اول سے اگر آپ کی مراد پیغمبرﷺ کی بعثت کے ابتدائی گیارہ' بارہ برس ہیں تو اس دورانیے میں شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کئی دوسرے احکامِ شریعت کی طرح حرمتِ سود کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ جس طرح سفرِ معراج سے پہلے تو پنج وقتہ نماز کا بھی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ حرمتِ خمر و میسر اور سرقہ کی سزا وغیرہ کا حکم بھی مدنی دور کے نصف اول میں نازل ہوا۔ فرضیتِ صوم و زکوٰۃ اور ستر و حجاب کے احکام کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ تو کیا ان سب احکامِ شریعت کے ضمن میں اسلامی حکومت کو حق ہے کہ مسلمان شہریوں کے لیے آپشن کھلی رکھے' چاہیں تو عمل کریں اور چاہیں تو معصیت اور گناہ میں مبتلا رہیں......؟ ضابطوں اور معاملات کی transformation کے لیے مہلت اور مدت کا تعین ایک الگ شے ہے' لیکن مطلقاً معروضی حالات پر انحصار کا دعویٰ کس مسلک میں جائز ہے؟ اور اگر صدرِ اوّل سے شریعتِ اسلامیہ کی تکمیل کے بعد کے ادوار مراد ہیں تو ازراہِ کرم ان ادوار کی وضاحت فرما دیجیے تاکہ تاریخی حقائق اور اپنی معلومات کو درست کر لیا جائے۔

ہم صاحبِ کالم سے دست بستہ عرض کریں گے کہ اسلامی بینکاری کی موجودہ ہیئت مسلمانانِ پاکستان کی منزل ہرگز نہیں ہے۔ نہ ہی آپ کو اس کی تائید یا تردید بوجوہ جچتی ہے۔ اس لیے بھی کہ یہ بات تو واشگاف الفاظ میں خود مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بھی بارہا بیان کر چکے ہیں(۲) کہ موجودہ اسلامی بینکنگ حیلوں پر قائم ایک عارضی بندوبست ہے جو صرف عریاں سود سے بچاؤ کا ایک عبوری انتظام ہے۔ مولانا مدظلہ تو وہ شخصیت ہیں جنہوں نے آئینِ پاکستان پر حلف اُٹھا کر ۱۹۹۹ء میں ملک کی اعلیٰ ترین عدلیہ میں بطور آئینی جج کے' سود کی ہر شکل کے ابطال کا تاریخی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ ایسی شخصیت سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کبھی سود کے ''کامل خاتمے'' سے کم تر پر راضی ہو سکیں گے؟ ان کی ایک مخصوص تناظر میں کی گئی بات کو سیاق و سباق سے ہٹا کر اسے اپنی مطلب برآری کے لیے ازراہِ کرم استعمال نہ کیجیے۔ مسلمانانِ پاکستان کبھی بھی سود کے مکمل خاتمے کے اپنے دینی اور آئینی حق سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ اگر دستورِ پاکستان کی دفعہ 38F یہ کہتی ہے کہ:

"State shall eliminate riba as early as possible"

اور دوسری طرف مسلمانانِ پاکستان' قرآن و سنت اور خطبۂ حجۃ الوداع میں بیان کردہ منشورِ اسلام پر کامل ایمان و یقین رکھتے ہیں' تو کیسے ممکن ہے کہ مسلمان حکمران و عوام گونگے شیطان بن کر ایک صریح بغاوت اور معصیت کو جدیدیت اور سیکولر اسلام پسندوں کے لحاظ میں قبول بھی کیے رکھیں اور ''مہذب'' لوگوں کی طرح ماتھے پر شکن تک نہ آئے۔ ع ''ایں خیال است و محال است و جنوں!''

بندۂ مومن کے لیے قرآنی وعید ﴿فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ۚ﴾ (البقرۃ:۲۷۹) آ جانے کے بعد اور حدیثِ رسول ﷺ ((اَلرِّبَا سَبۡعُوۡنَ حُوۡبًا، اَیۡسَرُھَا اَنۡ یَّنۡکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ))(رواہ الحاکم عن عبداللّٰہ بن مسعود، وصححہ علی شرط البخاری ومسلم، ووافقہ الذھبی، وصححہ الألبانی)اور خطبہ حجۃ الوداع کے دوٹوک اعلامیے (رِبَا الۡجَاھِلِیَّۃِ مَوۡضُوۡعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنۡ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بۡنِ عَبۡدِ الۡمُطَّلِبِ ، فَاِنَّہٗ مَوۡضُوۡعٌ کُلُّہٗ) کو سن، پڑھ لینے کے بعد بھی کچھ کہنے کی کوئی کسر باقی رہ جاتی ہے؟ قائداعظم تو معروف معنوں میں مذہبی شخصیت نہ تھے۔ ان کی مذکورہ تقریر (۳) کو پڑھ کر ہی دیکھ لیجئے، شاید سودی نظام کی تباہ کاریوں کا کچھ اعتبار ہو۔ علامہ اقبال کے نام پر بہت سارے اسلام پسندوں کی روزی روٹی لگی ہوئی ہے۔ اُن کے اِن اشعار کی بابت آپ کیا فرمائیے گا؟

ایں بنوک ایں فکرِ چالاکِ یہود
نورِ حق از سینہ آدم ربود

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام!

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!
کس نداند لذّتِ قرضِ حسن

از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ
آدمی درّندہ بے دندان و چنگ

بہت بہتر ہوگا اگر آپ اپنے زورِ قلم کو اباحیت کی ترویج کی بجائے شریعتِ اسلامی کی حقانیّت اور دینی غیرت و حمیّت کے فروغ میں صرف کریں، کہ اسی میں مسلمانوں کی نجات اور پاکستان کا استحکام پنہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حواشی

(۱) روزنامہ جنگ، نوائے وقت، دنیا وغیرہ، بتاریخ ۱۶ جنوری ۲۰۱۹ء۔

(۲) ماخوذ از ''مروجہ اسلامی بینکاری، تجزیاتی مطالعہ (مکتبہ بیّنات، کراچی)'' اسلامی بینکاری اپنے بنیادی تقاضوں کو پورا نہیں کر رہی، نہ ہی مشارکہ کی طرف کسی قسم کی پیش رفت کی قابلِ ذکر کوششیں موجود ہیں...... مرابحہ، اجارہ وغیرہ کا استعمال بھی روایتی معیارات LIBOR وغیرہ کے فریم ورک میں ہوتا ہے جس کا آخری نتیجہ مادی طور پر سودی معاملے سے مختلف نہیں ہوتا...... بعض اسلامی بینکوں میں یہ بات محسوس کی گئی ہے کہ ان میں مرابحہ اجارہ کو بھی ان کے شرعاً مطلوب

طریق کار کے مطابق اختیار نہیں کیا جاتا......'' (بحوالہ اسلامی بینکاری کی بنیادیں‘ حقیقت پسندانہ جائزہ‘ صفحہ نمبر ۲۴۸)

''یہ ایک حیلہ نکالا گیا ہے اور اس کے حیلہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں‘ اس لیے میں جہاں بھی دخیل ہوں وہاں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ مرابحہ اور اجارہ کے معاملات کم کرو اور رفتہ رفتہ شرکت اور مضاربت کی طرف بڑھو‘ اور جہاں ایسا نہیں کرتے وہاں سے میں رفتہ رفتہ الگ بھی ہو رہا ہوں‘ اس واسطے کہ بس ہو گیا‘ ایک حیلہ کر لیا...... اپنی ساری سرگرمیاں اسی پر رہیں یہ ٹھیک نہیں۔'' (بحوالہ ماہنامہ ندائے شاہی‘ مراد آباد‘ فروری ۲۰۰۴ء)

(۳) قائداعظم کی تقریر کا اقتباس:

"I shall watch with keenness the work of your Research Organisation in evolving banking practices compatible with Islamic ideas of social and economic life. The economic system of the west have created almost insoluble problems for humanity and to many of us it appears that only a miracle can save it from disaster that is now facing the world. It has failed to do justice between man and man and to eradicate friction from the international field. on the contrary, it was largely responsible for the two world wars in the last half century. Western world, in spite of its advantages of mechanization and industrial efficiency is today in a worse mess than ever before in history. The adoption of Western economic theory and practice will not help us in achieving our goal of creating a happy and contented people. We must work our destiny in our own way and present to the world an economic system based on true Islamic concept of equality of manhood and social Justice. We will thereby be fulfilling our mission as Muslims and giving to humanity the message of peace which alone can save it and secure the welfare, happiness and prosperity of mankind."

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر
کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے

حقیقت و اَقسامِ شرک

ڈاکٹر اسرار احمد

اشاعت خاص 100 روپے، اشاعت عام 60 روپے

چند اوامر و نواہی

مدرّس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :

((لَا تَحَاسَدُوْا، وَلَا تَنَاجَشُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَلَا یَبِعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ، وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ، لَا یَظْلِمُہٗ، وَلَا یَخْذُلُہٗ، وَلَا یَحْقِرُہٗ، التَّقْوٰی ھٰھُنَا)) وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ((بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ، کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُہٗ وَمَالُہٗ وَعِرْضُہٗ))(۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’ایک دوسرے پر حسد نہ کرو‘ (کوئی چیز خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور کوئی دوسرا شخص خرید رہا ہو تو) خواہ مخواہ بولی میں حصہ لے کر قیمت نہ بڑھاؤ (کہ وہ چیز اسے مہنگی ملے)۔ آپس میں بغض نہ رکھو‘ ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو‘ تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے‘ وہ اس (مسلمان بھائی) پر نہ تو ظلم کرتا ہے‘ نہ اس کی مدد ترک کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے‘‘۔ آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا: ’’تقویٰ یہاں ہے۔ (مزید فرمایا:) انسان کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے‘ یعنی اس کا خون‘ مال اور عزت و آبرو۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بعض کاموں سے روکا ہے اور بعض کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو اختیار کرنے سے انجام بخیر ہوتا ہے اور جن سے منع کیا گیا ہے ان کے کرنے سے نقصان اور خسارہ ہی خسارہ ہے یا پھر پشیمانی اور ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔

سب سے پہلا حکم آپ ﷺ نے دیا ہے کہ ’’آپس میں حسد نہ کرو‘‘۔ حسد بدترین گناہوں میں سے ہے۔ حسد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کی بڑائی نہ دیکھ سکے بلکہ اس کے لیے زوالِ نعمت کی تمنا کرے۔ اس گناہ کی شناعت اس لیے ہے کہ کسی شخص کو دنیاوی نعمتوں سے نوازنا اللہ کا کام ہے وہ جس کو چاہتا ہے خوشحالی اور دولت مندی دیتا ہے‘ جس کو چاہتا ہے تنگ دست اور نادار رکھتا ہے۔ اس کا یہ فیصلہ حکیمانہ ہوتا ہے۔ پس جو شخص کسی کی اچھی صحت یا مال و دولت پر حسد کرتا ہے دراصل وہ اللہ کے فیصلے پر معترض ہوتا ہے جو اس کے لیے

☆ صحیح مسلم‘ کتاب البر والصلۃ والآداب‘ باب تحریم ظلم المسلم ......

خسارے کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ)) (رواہ ابو داؤد) ''تم حسد سے بچو' کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو جلا کر راکھ کر ڈالتی ہے''۔ صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ بندہ کسی کے زوالِ نعمت کی خواہش نہ رکھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اسے بھی وہ نعمت میسر ہو۔

دوسری بات آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ ''ایک دوسرے کی بولی پر بولی مت دیا کرو'' یعنی جب کسی چیز کی بولی لگ رہی ہو تو محض چیز کی قیمت بڑھانے کے لیے زیادہ بولی نہ لگاؤ۔ یہ گناہ کی بات ہے۔ ہاں اگر آپ واقعی خریدار ہیں تو دوسروں سے زیادہ بولی لگا کر وہ چیز خرید سکتے ہیں' اس میں کوئی حرج نہیں۔ تیسری بات آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ ان کو آپس میں بغض رکھنا زیب نہیں دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اگر آپس میں ناراضگی پیدا ہو جائے تو چاہیے کہ دوسرے لوگ صلح صفائی کرا دیں۔ صلح ہو جائے تو پھر مصالحتی فیصلہ دل سے قبول کر لینا چاہیے۔ جو ایسا نہیں کرتا بلکہ وہ بدستور دوسرے کا بدخواہ رہتا ہے تو یہ بغض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو جنتی فرمایا جو عبادت تو واجبی ہی کرتا تھا مگر کسی دوسرے مسلمان کے خلاف اس کو حسد یا بغض نہ تھا' بلکہ اس کا دل سب دوسرے لوگوں کی طرف سے اجلا اور صاف تھا۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ ''ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو''۔ ایسا کرنا بداخلاقی ہے کہ کوئی شخص آپ کے ساتھ بات کرنا چاہتا ہے اور آپ بے رخی کرتے ہیں اور اس کی بات توجہ سے نہیں سنتے۔ ایسا محض حقارت کی بنا پر ہوتا ہے کہ بات کرنے والے کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس سے بات کرنے والے کی دل شکنی ہوتی ہے اور کسی کی دل شکنی کرنا بداخلاقی اور گناہ کا کام ہے۔ اگر کوئی بات کرنے کے لیے آتا ہے تو توجہ کے ساتھ اس کی بات سننی چاہیے اور اسے اچھا تاثر دینا چاہیے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی کسی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے''۔ یعنی ایک شخص کوئی چیز خرید رہا ہے' آپ بھی اس چیز کے گاہک ہیں تو صبر کریں اور ان کا سودا ہونے دیں' درمیان میں کوئی مداخلت نہ کریں۔ اگر ان کا سودا طے ہو گیا تو ان کے حق میں دعائے خیر کریں۔ اگر ان کا سودا نہیں ہو سکا تو اب آپ اس چیز کی خریداری کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی کے ہاں رشتے کی بات چل رہی ہے تو آپ انتظار کریں۔ اگر وہ معاملہ طے نہ ہو سکے تو آپ اس رشتے کے حصول کی بات کر سکتے ہیں' ورنہ صبر کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو''۔ قرآن مجید میں بھی ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ بھائی چارہ اعلیٰ اخلاق کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک بھائی ہمیشہ دوسرے کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ اسلامی بھائی چارے کا بھی یہی مطلب ہے کہ مسلمان کوئی بھی ہو' کہاں کا رہنے والا ہو' امیر ہو یا غریب ہو' چھوٹا ہو یا بڑا ہو' سب ایک دوسرے کے اسلامی بھائی اور خیر خواہ ہیں۔ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ غلام اور آقا کے رشتے میں بھی اپنائیت ہے۔ غلام یا نوکر بھی آپ کا بھائی ہے۔ قیدی بھی آپ کا بھائی ہے' وہ آپ کے حسنِ

اخلاق کا مستحق ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرتا''۔ اسلامی بھائی چارے کا تقاضا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں' ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہ کریں' بلکہ اگر کسی مسلمان پر ظلم ہو رہا ہو تو اس کی مدد کریں اور اسے ظلم سے نجات دلانے کی کوشش کریں۔ یہ رویہ غیر اسلامی ہے کہ ایک مسلمان پر ظلم ہو رہا ہو تو دوسرے مسلمان خاموش تماشائی بنے رہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا)) (رواہ البخاری والترمذی) ''اپنے بھائی کی مدد کرو' خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم''۔ جب پوچھا گیا کہ مظلوم کی مدد تو ہم کرتے ہیں' ظالم کی مدد کیسے کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو ظلم سے روک دینا اس کی مدد ہے''۔ اگر ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے تو وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے' لیکن اگر وہ صلح سلوک' پیار محبت قائم رکھنے کی خاطر اپنا حق چھوڑ دیتا ہے تو اس کا بہت بڑا درجہ ہے۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر نہ سمجھے''۔ امیر اور دولت مند آدمی غریب مسلمان کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے' بلکہ اسے اپنے برابر کا مسلمان جانے۔ اسی طرح اعلیٰ عہدے پر فائز مسلمان کمتر حیثیت والے ملازمین کو حقیر نہ جانیں۔ کسی کی کمتر پوزیشن کی وجہ سے اسے حقیر سمجھنا بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنا ہے' کیونکہ عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر جو شخص آج اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھ رہا ہے کیا پتا حقیقی زندگی میں اس کا کیا مقام ہوگا اور جس کو وہ حقیر سمجھ رہا ہے وہ کیسا ہے۔ اکثر معاملہ الٹ نظر آتا ہے۔ جو دنیا میں خوشحال اور بااختیار ہے اسے تو دوسروں پر زیادتی کرنے کے مواقع میسر ہیں۔ اگر اس نے دوسروں پر ناجائز دباؤ ڈالا تو اسے اس کا جواب دینا ہوگا' اور جو بے اختیار غریب آدمی ہے وہ کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کر سکتا' اس کے لیے آخرت کا حساب کتاب آسان ہوگا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خوشحال اور معزز اُخروی محاسبے کی زد میں آ جائیں گے —— اِلّا ماشاء اللہ —— اور اکثر غریب اور نادار بچ نکلیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ کیا اور فرمایا: ''تقویٰ یہاں ہے''۔ قرآن مجید میں بار بار تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ تقویٰ کا تعلق دل سے ہے۔ جس طرح دل انسانی جسم کے اندر ہوتا ہے اور باہر سے دکھائی نہیں دیتا' اسی طرح تقویٰ آنکھوں سے نظر آنے والی شے نہیں بلکہ اس کا تعلق اکثر وبیشتر پوشیدہ اعمال سے ہے۔ ہمارے ہاں یہ روش صحیح نہیں کہ ہم نماز' روزے' شکل وصورت اور مخصوص لباس کو تقویٰ کی علامت سمجھ لیتے ہیں۔ تقویٰ تو اندر کی چیز ہے۔ کوئی عمل خواہ کتنا ہی اچھا نظر آئے وہ تقویٰ کی یقینی علامت نہیں ہے۔ ایک مثال دیکھئے۔ کوئی شخص نماز پڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ ریاکاری کر رہا ہے' بظاہر تو وہ نماز ہے لیکن حقیقت میں وہ نماز نہیں ہے۔ پس تقویٰ کا تعلق دل سے ہے۔ اگر کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے خوف سے یعنی اللہ کی رضا کے لیے نیک عمل اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کاموں سے دور رہتا ہے تو ایسا شخص متقی ہے' خواہ وہ غریب ہو یا امیر' اونچے عہدے پر ہو یا چھوٹا ملازم ہو۔

(باقی صفحہ 76 پر)

اس کے برعکس کوئی دوسرا اپنی مرضی کی زندگی گزار رہا ہے‘ اوامر اور نواہی کا اسے خیال نہیں‘ مگر نماز روزے کا پابند ہے تو وہ متقی نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ﴾ (العنکبوت:٤٥) ’’بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی کے کاموں سے بچاتی ہے‘‘۔ پس جو نماز تقویٰ پیدا نہیں کرتی وہ کیسی نماز ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ایک مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے‘ یعنی خون‘ مال اور عزت و آبرو۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل نہ کرے‘ نہ اس کا مال چھینے اور نہ اس کو بے آبرو کرے۔ اگر ان ممنوعات سے وہ کنارہ کش نہیں تو وہ کیسا مسلمان ہے؟ اور وہ دوسرے مسلمانوں کا کس طرح کا بھائی ہے؟ ایسا شخص تو قرآن وسنت کی رو سے اسلامی بھائی چارے پر یقین نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اسلامی احکام پر کما حقہ یقین رکھیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔

❁❁❁

مِلاکُ التأوِیل (۱۶)

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی
تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

سُورۃُ الانعام

(۹۵) آیت ۱۱:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱﴾

’’کہہ دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو اور پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔‘‘

اور سورۃ النمل میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۶۹﴾

’’کہہ دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو اور پھر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا۔‘‘

اور سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہوا:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ﴾

’’کہہ دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ اس نے مخلوق کو کیسے پیدا کرنا شروع کیا اور پھر اللہ (کیسے) دوسری دفعہ اٹھاتا ہے۔‘‘

اور سورۃ الروم میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝۴۲﴾

’’کہہ دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو اور پھر دیکھو کہ پہلے والوں کا انجام کیا ہوا۔ ان میں سے اکثر مشرکین تھے۔‘‘

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ ان چاروں آیات کی ابتدا (قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ) سے ہوئی ہے' اس کے بعد دیکھنے بھالنے کا مطالبہ کیا گیا ہے' لیکن ہر آیت کے اختتامی کلمات میں اختلاف واقع ہوا ہے' یعنی کس چیز کو بطورِ عبرت دیکھا جائے؟ دوسرا یہ کہ ’’انْظُرُوْا‘‘ سے پہلے حرفِ عطف کا اختلاف ہے۔ سوائے سورۃ الانعام کے جہاں ’’ثُمَّ انْظُرُوْا‘‘ کہا گیا' باقی تینوں آیات میں ’’فَانْظُرُوْا‘‘ سے خطاب کیا گیا۔

جواباً عرض ہے کہ ہر آیت کے سیاق وسباق کی روشنی میں آیت کے اختتامی کلمات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

سورۃ الانعام کی آیت سے قبل تکذیب کا ذکر ہے: ﴿فَقَدۡ کَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ ؕ﴾ (آیت۵) ''اور انہوں نے حق کو جب وہ ان کے پاس آیا‘ جھٹلا دیا''۔ اور پھر مکذّبین کی مختلف اَصناف کی طرف اشارہ کیا گیا‘ اور پھر اس آیت میں ان کے ہلاک کیے جانے کی طرف اشارہ کیا گیا: ﴿اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ﴾ (آیت ۶) ''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان سے قبل کتنے زمانوں (کے لوگوں کو) ہلاک کیا؟'' یہ لوگ حق بات نہ ماننے اور حق کو جھٹلانے کی وجہ سے ہلاک کیے گئے تھے۔ اس لیے بعد میں آنے والے لوگوں کو ان کے بدانجام سے ڈرایا گیا۔ اور یوں یہ آیت ﴿ثُمَّ انۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ کی مناسبت ان آیات سے ہوگئی جن میں ان کے حق کو جھٹلانے کا ذکر ہے۔

اب رہی سورۃ النمل کی آیت‘ تو اس سے قبل آیت ۶۰ سے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ......﴾۔ یہاں آسمان اور زمین کی خلقت‘ باغات‘ نہروں‘ سمندروں‘ پہاڑوں میں پنہاں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا ذکر ہے۔ پھر ان کے اندھے پن اور شکوک اور شبہات کا ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿بَلِ ادّٰرَکَ عِلۡمُہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۟ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّنۡہَا ۟ بَلۡ ہُمۡ مِّنۡہَا عَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾﴾ ''بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم الجھا ہوا ہے‘ نہیں! بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں‘ نہیں! بلکہ وہ اس کے بارے میں بالکل اندھے ہیں''۔ آگے ان کے دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کا ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا ءَ اِذَا کُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَاۤ اَئِنَّا لَمُخۡرَجُوۡنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدۡ وُعِدۡنَا ہٰذَا نَحۡنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶۸﴾﴾

''اور کافروں نے کہا کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادے مٹی بن جائیں گے تو کیا ہم نکالے جائیں گے؟ ہم اور ہمارے آباء سے اس بات کا وعدہ پہلے بھی کیا گیا تھا‘ یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''

اور اس کے بعد پھر یہ آیت ہے جس میں مجرموں کے بدانجام سے ڈرایا گیا ہے: ﴿فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۶۹﴾﴾ ان لوگوں کے بارے میں تکذیب (جھٹلانے) کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ ان کا جرم یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں غور وفکر نہیں کرتے‘ اس لیے مناسب تھا کہ ان کے لیے ''مُجۡرِمِیۡنَ'' کا لفظ لایا جائے۔

اب ملاحظہ ہو سورۃ العنکبوت کی آیت۔ اس آیت سے قبل آخرت کی طرف پلٹے جانے کا خصوصی ذکر ہے جس کا ذکر چار مرتبہ کیا گیا ہے‘ فرمایا: ﴿مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ﴾ (آیت ۵) ''اور جو اللہ سے ملاقات چاہتا ہے تو (وہ جان لے کہ) اللہ کی طرف سے دی گئی میعاد آنے والی ہے''۔ اور فرمایا: ﴿وَ لَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''اور ان سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا ان باتوں کے بارے میں جن میں وہ جھوٹ باندھتے تھے''۔ اور فرمایا: ﴿وَ اشۡکُرُوۡا لَہٗ ؕ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور اس کا شکر ادا کرو‘ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔ اور ارشاد فرمایا: ﴿اَوَ لَمۡ یَرَوۡا کَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰہُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ ؕ﴾ (آیت ۱۹) ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کیسے مخلوق کو شروع کرتا ہے اور پھر انہیں دوبارہ کھڑا کرتا ہے؟''

دوسری سورتوں میں قیامت اور آخرت کے بارے میں اتنی تفصیل سے کلام نہیں ہوا۔ اس لیے مناسب تھا کہ انہیں آخرت اور معاد کے بارے میں غور کرنے کے لیے کہا جاتا' اسی لیے آخر میں فرمایا:

﴿فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ﴾ (آیت ۲۰)

''پھر دیکھو! کہ اس نے کیسے پیدا کرنا شروع کیا اور پھر اللہ دوسری بار اٹھاتا ہے۔''

اور جہاں تک سورۃ الروم کی آیت کا تعلق ہے تو اس سے قبل جابجا شرک اور مشرکین کا ذکر ہے' فرمایا:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔''

﴿اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾

''کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو اس چیز کے بارے میں بتاتی ہے کہ جسے یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

﴿هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾﴾

''بتاؤ! تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان تمام چیزوں میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو؟ بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے ان کے تمام شرک سے۔''

اب یہ بالکل مناسب تھا کہ جہاں شرک اور اس کے بدانجام کا ذکر کیا گیا ہو وہاں جب عبرت پکڑنے کا ذکر آئے تو پھر مشرکین کے انجامِ بد سے عبرت حاصل کرنے کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اور اسی لیے فرمایا:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾﴾

''کہہ دیجیے زمین میں چلو پھرو اور پھر دیکھو کہ پچھلے لوگوں کے ساتھ کیا ہوا' ان میں سے اکثر مشرکین تھے۔''

اب آیئے دوسرے سوال کی طرف کہ سوائے سورۃ الانعام کی آیت کے' باقی تین آیات میں فاءِ تعقیب (فَانْظُرُوْا) لایا گیا اور سورۃ الانعام میں ''ثُمَّ'' (ثُمَّ انْظُرُوْا) لایا گیا — تو اس کا جواب یہ ہے کہ فاءِ تعقیب میں ایک چیز کے فوراً بعد دوسری چیز کے آنے کا ذکر مقصود ہوتا ہے' جب کہ ''ثُمَّ'' سے مراد اس دوسری چیز کا دیر سے آنا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ ان تینوں آیات میں جہاں فاءِ تعقیب آیا ہے' مقصود یہ ہے کہ زمین میں چلو پھرو اور ساتھ ساتھ تدبّر کرتے چلو' عبرت حاصل کرتے رہو۔ گویا چلنے پھرنے اور عبرت حاصل کرنے کے درمیان کوئی دوسرا بڑا مرحلہ نہیں ہے۔ اس لیے ''فَانْظُرُوْا'' کہنا ہی مناسب تھا۔

اب سورۃ الانعام کی آیت کو ملاحظہ کیجیے' یہاں ابتدا ہی میں زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بات بتائی گئی ہے کہ دیکھو زمین و آسمان کتنی عظیم جسامت رکھتے ہیں اور ان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کہیں زیادہ بڑی ہے۔ اب یہاں گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ زمین میں چلو پھرو اور پھر غور کرو کہ اللہ نے کیسے ان عظیم الشان مخلوقات کو پیدا کیا' زمین کو کیسے پھیلا دیا' تمہارے رہنے کے قابل بنایا۔ اس میں پہاڑ بنا دیے تاکہ زمین ساکن رہے۔ دریاؤں کا جال پھیلا دیا' کہ جن میں طرح طرح کے عجائبات ہیں۔ پھر اوپر کی طرف نظر اٹھاؤ اور دیکھو کہ بغیر کسی ستون کے آسمان کی چادر ایک محفوظ چھت کی مانند تمہارے اوپر پھیلا دی' اسے پھر ستاروں سے ایسے جگمگا دیا کہ تم

تاریکیوں میں ان سے راستہ پہچانتے ہو‘ پھر اس میں سورج اور چاند کو روشنی کا گہوارہ بنا دیا‘ اور یہ بھی دیکھو کہ رات کی نشانی ایسی بنائی کہ جو نظر نہ آئے تاکہ لوگوں کو آرام کا موقع ملے‘ اور دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ لوگ اپنا کام کر سکیں۔ گویا یہاں ایک نشانی نہیں‘ بے شمار نشانیاں ہیں‘ جن کی طرف سورۃ الجاثیہ کی اس آیت میں بھی اشارہ کیا گیا: ﴿اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ③﴾ ’’بے شک آسمانوں اور زمین میں مؤمنوں کے لیے نشانیاں ہیں۔‘‘

پھر سورۃ الانعام کی آیت میں ’’ثُمَّ انۡظُرُوۡا‘‘ کہہ کر غور وفکر کرنے اور جھٹلانے والوں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی۔ یہاں ’’ثُمَّ‘‘ کا لایا جانا ہی مناسب تھا کہ جس میں کچھ مدت اور مہلت کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھیے پچھلی ذکر کردہ آیات میں صرف مکذبین کے انجام کے بارے میں عبرت حاصل کرنے کی دعوت تھی‘ لیکن اس آیت میں دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: زمین و آسمان کی نشانیوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اور اس کے بعد مکذبین کے انجام سے عبرت پذیری کا سبق یاد دلایا گیا ہے۔ اس لیے پچھلی آیات میں صرف فاءِ تعقیب لانا مناسب تھا اور اس آیت میں ’’ثُمَّ‘‘ کا لایا جانا مناسب تھا کہ جس میں فاء کے مقابلے میں بُعد اور دوری پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم!

(۹۶) آیت ۱۶:

﴿وَذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ⑯﴾ ’’اور یہی کھلی کامیابی ہے۔‘‘

لیکن سورۃ الجاثیہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ㉚﴾ ’’اور یہی وہ کھلی کامیابی ہے۔‘‘

اس آیت میں ایک تو شروع میں واو العطف نہیں ہے اور دوسرے ’’هُوَ‘‘ کی ضمیر کا اضافہ ہے تو اس کا کیا سبب ہے؟ جواب جاننے کے لیے دونوں آیات کا سیاق وسباق دیکھنا ہوگا۔ سورۃ الانعام کی آیت سے قبل ارشاد فرمایا: ﴿قُلۡ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ⑮﴾ ’’کہہ دیجیے کہ میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں‘‘۔ پھر فرمایا: ﴿مَنۡ یُّصۡرَفۡ عَنۡهُ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمَهٗ ؕ﴾ (آیت ۱۶) ’’اور جو اُس دن اس (عذاب) سے پھیر دیا گیا تو اللہ نے اس پر رحم کیا‘‘۔ اور پھر واو عاطفہ کے ساتھ یہ الفاظ وارد ہوئے: ﴿وَذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ⑯﴾ گویا کلام کچھ اس طرح ہے کہ جو شخص اس دن کے عذاب سے محفوظ رہا تو اللہ نے اس پر رحم کیا اور وہ کامیاب رہا‘ بالکل ایسے جیسے سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا تھا:

﴿فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ﴾ (آیت ۱۸۵)

’’اور جو شخص آگ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب رہا۔‘‘

دونوں آیتوں کا آخر ملاحظہ ہو: ’’فَقَدۡ رَحِمَهٗ‘‘ اور ’’فَقَدۡ فَازَ‘‘ —— فوز (کامیابی) چونکہ رحمت کی بنا پر ہے تو سورۂ آل عمران میں صرف ’’فَوۡز‘‘ کا تذکرہ کیا گیا اور چونکہ سورۃ الانعام کی آیت میں دونوں باتوں کا تذکرہ

ہے‘اس لیے ’’فَوْز‘‘ کا عطف ’’رَحِمَہ‘‘ کے اوپر مناسب تھا۔ اور یہاں پر ضمیر ’’ھُوَ‘‘ اس لیے وارد نہیں ہوئی کہ اس سورت میں آغازِ کلام سے لے کر اس آیت تک کسی ایسی چیز کا بیان نہیں ہوا تھا جسے ’’فوز‘‘ سمجھا جا سکے‘ اس لیے ضمیر ’’ھُوَ‘‘ کی چنداں ضرورت نہ تھی‘ اور وہ اس لیے کہ اس ضمیر کو وہاں لایا جائے گا جہاں تاکیداً یہ بات بتائی جا رہی ہو کہ فوز وہ نہیں جسے تم سمجھتے ہو‘ بلکہ فوز یہ ہے جو تمہیں اب بتائی جا رہی ہے۔

اب دیکھئے سورۃ الجاثیہ جہاں ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ﴾ کہا گیا‘ وہاں سلسلہ کلام کا آغاز کیسے ہوا ہے۔ وہاں قیامت اور دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرنے والوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جنہوں نے یہ کہا تھا:

﴿مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ﴾ (آیت ۲۴)

’’اور یہ جو کچھ بھی ہے صرف دنیوی زندگی ہے جس میں ہم مرتے جیتے ہیں‘ اور ہمیں زمانے کی گردش ہی ہلاک کرتی ہے۔‘‘

دیکھئے ان کے اس عقیدے کا بیان ہو رہا ہے کہ چونکہ اس زندگی کے بعد دوسری کوئی زندگی نہیں اس لیے جو کچھ بھی ہے وہ یہی زندگی ہے‘ تو کیوں نہ اس سے بھرپور لطف حاصل کیا جائے؟ اور جسے یہ لطف آمیز زندگی حاصل ہو گئی تو وہی اس کی کامیابی ہے۔ اب ان کے اس اعتقاد کی نفی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ بات وہ نہیں جو تم سمجھے بیٹھے ہو‘ بلکہ قیامت برپا ہو گی‘ لوگوں کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اور پھر ارشاد فرمایا:

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ﴾ (آیت ۳۰)

’’تو پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔‘‘

اور پھر ارشاد فرمایا: ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ﴾ ’’یہی وہ کھلی کھلی کامیابی ہے‘‘۔ وہ نہیں جسے تم کامیابی سمجھتے رہے ہو یعنی دنیا کا لہو ولعب۔ تو صرف یہ ضمیر ’’ھُوَ‘‘ لانے سے اس دقیق مفہوم کی طرف اشارہ ہو گیا جو ان کے مزعومہ اعتقاد کی نفی کرتا ہے‘ اور چونکہ سورۃ الجاثیہ کی آیت میں کسی دوسری چیز پر عطف نہیں تھا اس لیے حرفِ عطف (واوٗ) بھی نہیں لایا گیا۔ واللہ اعلم!

(۹۷) آیت ۱۷:

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

’’اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو سوائے اس کے اور کوئی اسے دور کرنے والا نہیں‘ اور اگر وہ تجھے کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

اور سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

’’اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو سوائے اس کے اور کوئی اسے دور کرنے والا نہیں‘ اور اگر تجھے کوئی

نفع پہنچانے کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں' وہ جسے چاہے اپنے بندوں میں سے اسے وہ فضل پہنچا دے' اور وہ مغفرت کرنے والا' رحمت کرنے والا ہے۔''

یہاں تین سوال پیدا ہوتے ہیں:

(۱) پہلی آیت میں جواب شرط ہے: ﴿فَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾﴾ اور دوسری آیت میں اس کی جگہ کہا: ﴿فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ﴾

(۲) پہلی آیت میں ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ﴾ کے الفاظ ہیں تو دوسری آیت میں ﴿وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ﴾ کے الفاظ ہیں۔

(۳) دوسری آیت کے اختتام پر ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾﴾ کہہ کر خاص طور پر ان دو صفات کے ساتھ مضمون کو ختم کیا گیا تو اس کی کیا وجہ ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ سورۃ الانعام میں خاص طور پر اس بات کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہیں' موجد ہیں' تمام چیزوں میں تصرف کرنے والے ہیں' ہر بات پر قادر ہیں' اور یہ صفات ان کے ساتھ خاص ہیں' کوئی ان صفات میں ان کا شریک نہیں ہے' ملاحظہ ہو کہ سورۃ کا آغاز ہی ان باتوں سے ہو رہا ہے' فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ﴾ (آیت ۱)

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیاں اور روشنی کو بنایا۔''

اور پھر اگلی آیات ملاحظہ ہوں:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ﴾ (آیت ۲)

''وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے بنایا۔''

﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ (آیت ۳)

''اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی' وہ تمہارے رازوں کو بھی جانتا ہے اور تمہارے ظاہر کو بھی۔''

اور پھر ان پچھلی قوموں کا تذکرہ کیا جن کو اللہ نے ان کے کفر کی بنا پر ہلاک کیا تھا:

﴿مَكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪﴾ (آیت ۶)

''ہم نے انہیں زمین میں وہ کچھ دیا تھا جو ہم نے تمہیں نہیں دیا اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارش برسائی۔''

﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ﴾ (آیت ۱۳)

''اور اسی کے لیے ہے جو کچھ رات میں ساکن اور دن میں (متحرک) ہے۔''

﴿قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (آیت ۱۴)

''کہہ دیجیے کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا ولی بناؤں' حالانکہ وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔''

اب دیکھئے کہ ان تمام آیات میں اللہ کی وحدانیت کا تذکرہ ہے اور اس بات کا کہ وہی ہے جس نے ہر چیز کو

بنایا‘ پیدا کیا‘ وہی ہر چیز کا مالک ہے‘ ہر جگہ اسی کا حکم چلتا ہے۔ اور یہ بھی ملاحظہ ہو کہ ان آیات میں اس مضمون کی طرف کوئی اشارہ نہیں کہ اس کی مخلوقات میں سے بھی کوئی روکنے‘ دھکیلنے یا بزورِ بازو کسی چیز پر قبضہ کرنے پر قادر ہے۔ البتہ چند آیات سے یہ مفہوم نکالا جا سکتا ہے‘ جیسے فرمایا:

﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①﴾

’’پھر جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اپنے معبودوں کو) برابر گردانتے ہیں۔‘‘

یا یہ کہا:

﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا﴾ (آیت ۱۴)

’’آپ کہہ دیجیے کہ کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کو معبود قرار دوں؟‘‘

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان آیات میں ایسے لوگوں کا منفی طرزِ عمل بیان ہو رہا ہے۔ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے‘ جانوروں کی مانند ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اس کائنات میں جو عظیم الشان چیزیں ہیں‘ اور جو کچھ وہاں ہو رہا ہے وہ خود بخود وجود میں آ گیا ہے۔ ان کے انہی خیالات کی تردید میں ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ذکر ہو‘ اور یہ کہ وہی ہے جو عالَمِ بالا اور عالَمِ زیریں کا خالق اور موجد ہے‘ اور یہ کہ اگر تمہیں کوئی نقصان یا تکلیف پہنچے تو اسے سوائے اللہ کے اور کوئی زائل نہیں کر سکتا۔ گویا اللہ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے خالق و مالک ہونے کا بیان ہو رہا ہے۔

سورۃ الانعام کی آیت کا یہی کچھ حاصل ہے۔

اب دیکھیے کہ سورۂ یونس کی آیت کا سیاق وسباق مختلف ہے۔ وہاں اس آیت سے قبل کُفّار کے اس اعتقاد کا بیان ہو رہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾

(آیت ۱۸)

’’اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نفع‘ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ معبود اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔‘‘

یعنی کچھ نہ کچھ نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں‘ تبھی تو سفارش کر رہے ہیں۔ اور فرمایا:

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ﴾ (آیت ۲۸)

’’اور جس دن ہم ان سب کو جمع کر دیں گے اور پھر ہم ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔‘‘

اور فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ (آیت ۳۱)

’’کہہ دیجیے کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے‘ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟‘‘

اور ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ﴾ (آیت ۳۴)

''کہہ دیجیے کہ کیا تمہارے ان شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو پہلے بھی پیدا کرے اور دوبارہ بھی پیدا کرے؟''

اور فرمایا:

﴿هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ﴾ (آیت ۳۵)

''کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہو''

حاصل مضمون یہ ہوا کہ یہ لوگ اپنے معبودوں میں نفع نقصان پہنچانے کا اعتقاد رکھتے تھے' ان کے اسی اعتقاد کے ابطال کے لیے ان پر یہ کہہ کر کاری ضرب لگائی گئی:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ﴾ (آیت ۱۰۶)

''اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسے کو نہ پکارو جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان۔''

اور اس کے بعد پھر زیر بحث آیت آتی ہے:

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ﴾

(ترجمہ پہلے گزر چکا ہے)

یعنی ان لوگوں کا جو گمان تھا کہ اللہ کے سوا ان کے معبودین نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں وہ بالکل غلط تھا۔ وہ تو اتنے کمزور اور ناتواں ہیں کہ اگر مکھی بھی ان سے کوئی چیز اُچک لے تو وہ اسے واپس لینے پر قادر نہیں ہیں' جیسا کہ سورۃ الحج کی اس آیت میں ارشاد ہوا: ﴿وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ﴾ (آیت ۷۳) اور اسی لیے یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے اور کائنات کا نظم چلانے کا پورا اختیار حاصل رکھنے کا تذکرہ بالکل مناسب تھا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ سورۂ یونس میں ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ﴾ کے الفاظ ہیں اور یہاں سورۃ الانعام کی طرح ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ﴾ نہیں کہا گیا۔ اور وہ اس لیے کہ اس آیت سے قبل اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی گئی ازلی تقدیر کی طرف اشارہ کیا جا چکا تھا۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾ (یونس)

''بے شک وہ لوگ جن کے بارے میں تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے' ایمان نہ لائیں گے۔''

اور اس کے بعد پھر اللہ کی اس مشیت کا تذکرہ ہے کہ جس کے مطابق دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ﴾ (آیت ۹۹)

''اور اگر تیرا رب چاہتا تو جو کوئی بھی زمین میں ہے وہ سب کے سب ایمان لے آتے۔''

یعنی سب اُس کی مشیّت اور ارادے کے پابند ہیں' اُس کی مرضی کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور نہ ہی اُس کی مخالفت کر سکتا ہے۔ اس سیاق میں مناسب تھا کہ کہا جاتا: ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ﴾ ''اور اگر وہ تیرے لیے کسی

خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں''۔ پھر اس کے بعد فرمایا: ﴿يُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ﴾ ''وہ اپنا (فضل) جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے لٹا دے۔''

اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو خیر پہنچا دینا وہی بات ہے جس کا تذکرہ سورۃ الانعام کی آیت میں ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ﴾ کے الفاظ سے ادا ہوا ہے۔ اس طرح سورۂ یونس کی آیت میں دونوں چیزیں جمع ہوگئیں' گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچاتا ہے اور تمہارے لیے ہی اس کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی بھی نہ اس خیر کو تم تک پہنچنے سے روک سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ارادے کو ٹال سکتا ہے' اور یوں اس آیت میں اس مضمون کو سورۃ الانعام کی آیت کے مقابلہ میں مزید تاکید حاصل ہوگئی' اور یہ تاکیدی بیان ان دونوں آیات سے بھی مطابقت رکھتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی بات کو ثابت ہونے اور اللہ کی مشیت کے جاری وساری ہونے کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ اور چونکہ سورۃ الانعام میں ایسا کوئی مضمون بیان نہیں ہوا تھا اس لیے وہاں صرف اتنا کہنا کافی تھا کہ: ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾﴾ اور یوں دونوں آیات اپنی اپنی جگہ پوری مناسبت رکھتی ہیں۔

اب رہا تیسرا سوال کہ سورۂ یونس کی آیت میں خاص طور پر ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾﴾ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی ان دو صفات کا بیان کیوں ہوا ہے' تو اس کے لیے ان آیات کا سیاق وسباق دوبارہ دیکھنا ہوگا۔

ملاحظہ ہو کہ جب اس آیت سے قبل اللہ تعالیٰ کی بات کے ثابت ہو جانے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے جاری وساری ہونے کا بیان ہوا تو دلوں پر ایک قسم کے خوف اور خشیت کا طاری ہونا فطری امر ہے' اور پھر اہلِ ایمان پر یہ بات بھی کافی گراں گزرتی کہ ہمارے اعمال کا کیا ہوگا' اس لیے مناسب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم الشان صفات ''غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' کا ذکر کر کے ان کے دلوں کی پاسداری کی جاتی اور یوں اس آیت کے اختتام کے لیے ان دو صفات کا بیان بہت مناسب تھا' واللہ اعلم!

(۹۸) آیت ۲۱:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢١﴾﴾

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اُس کی آیات کو جھٹلائے۔ بے شک ظالم لوگ کامیابی نہ پائیں گے۔''

اس آیت سے ملتی جلتی پانچ اور آیات ہیں۔ سورۃ الانعام کی ہی آیت ۹۳:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ﴾

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی ہوئی ہے' حالانکہ اس پر کسی چیز کی وحی نہیں ہوئی۔''

اور سورۃ الاعراف کی آیت ۳۷:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ﴾

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اُس کی آیات کو جھٹلائے۔ ایسے لوگوں کو وہ کچھ ملے گا جو کتاب (تقدیر) میں ان کے لیے لکھا جا چکا ہے۔''

اور سورۂ یونس کی آیت ۱۷ میں ارشاد فرمایا:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾﴾

''اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اُس کی آیات کو جھٹلائے۔ بے شک مجرم فلاح نہ پائیں گے۔''

اور سورۃ العنکبوت کے آخر میں آیت ۶۸ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَہٗ ؕ﴾

''اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا حق کو ٹھکرایا جب اُس تک وہ حق پہنچا۔''

اور سورۃ الصّف کی آیت ۷ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُوَ یُدْعٰۤی اِلَی الْاِسْلَامِ ؕ﴾

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا حالانکہ اُسے اسلام کی طرف بلایا جا رہا تھا۔''

پہلا سوال تو ظاہر ہے کہ ان آیات میں پہلی بات مشترک ہے لیکن ہر آیت کے اختتامی کلمات مختلف ہیں' اور دوسرا سوال یہ ہے کہ سوائے سورۃ الصّف کے جس میں ''اَلْکَذِبَ'' لام تعریف کے ساتھ ہے' باقی آیات میں یہی لفظ بطور نکرہ آیا ہے تو کیوں؟

اب ہم پہلے سوال کے جواب میں ہر آیت کو اس کے سیاق وسباق میں دیکھتے ہیں۔ سورۃ الانعام کی پہلی آیت کا اختتام ﴿اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ پر ہو رہا ہے' یعنی ابتدا میں بھی ان کے ظلم کی طرف اشارہ ہے اور آخر میں بھی۔ اب ذرا اس آیت سے پہلے کی آیات دیکھیے۔ فرمایا:

﴿فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَھُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْھِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ﴿۵﴾﴾

''پس ان لوگوں نے حق کو جھٹلایا جو ان تک پہنچا تھا' اب عنقریب ان کے پاس وہ تمام خبریں آ جائیں گی جو ان کے استہزاء (کے نتیجے میں ان) کے بارے میں ہوں گی۔''

اور پھر اس کے بعد فرمایا:

﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْہُ بِاَیْدِیْھِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِنْ ھٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷﴾﴾

''اور اگر ہم تمہارے اوپر کتاب کو ورق کی شکل میں بھی اتار دیں کہ جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھو سکیں' تب بھی ان کفار نے یہی کہنا تھا کہ یہ تو کھلا کھلا جادو ہے۔''

اب یہاں پر ان کے ایک جھوٹ کا بیان ہے اور اس سے قبل حق کو جھٹلانے کا بیان تھا' گویا انہوں نے شرک اور تکذیب دونوں کو جمع کر دیا' اس لیے مناسب تھا کہ سب سے پہلے ان کے ظلم کا تذکرہ ہو جاتا۔ گویا یہ کہا جا رہا ہے

کہ اے محمد ﷺ! ان لوگوں سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا‘ شرک کا ارتکاب کیا‘ حق کو جھٹلایا‘ حالانکہ انہی آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور دینِ حق کے بارے میں دلائل کا انبار لگا دیا گیا تھا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں یہ کہا جانا کہ ان سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں اور ایسے ظالموں کو فلاح و کامیابی نصیب نہ ہو گی‘ بالکل مناسب تھا۔

سورۃ الانعام کی دوسری آیت میں افتراء علی اللہ کے بعد ان کے اس قول کا ذکر ہے: ﴿اَوۡ قَالَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ وَلَمۡ یُوۡحَ اِلَیۡهِ شَیۡءٌ﴾ یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ اس پر وحی کی گئی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں کی گئی۔ اس آیت سے قبل کئی انبیاء کا تذکرہ ہے اور پھر یہ کہا گیا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقۡتَدِهۡ﴾ (آیت ۹۰) ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو آپ ان کی ہدایت کی پیروی کریں''۔ اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖۤ اِذۡ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنۡ شَیۡءٍ﴾ (آیت ۹۱)

یہاں اللہ تعالیٰ ان کے فعل کی شناعت کا اظہار کر رہے ہیں‘ اور اس بات کا بھی کہ انہوں نے تورات سے آنکھیں چھپائی رکھیں‘ تورات میں موجود ہدایت اور روشنی سے استفادہ نہیں کیا اور پھر یہ بتایا کہ اللہ کے فرستادہ رسول‘ اللہ پر جھوٹ نہیں باندھتے تھے۔ گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ موسیٰ کی کتاب میں کیا کچھ ہدایت‘ روشنی اور واضح دلائل تھے؟ کیا کوئی اس حد تک جسارت کر سکتا ہے کہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ سب خود اس کا اپنا کیا دھرا ہے اور یہ کہ اللہ کی وحی اس پر آتی رہتی ہے؟ اور اس مضمون کی مناسبت سے آخر میں یہ کہنا بالکل درست تھا کہ:

﴿وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ قَالَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ وَلَمۡ یُوۡحَ اِلَیۡهِ شَیۡءٌ﴾

اور یہ عبارت سورۃ الانعام کی پہلی آیت میں اس لیے نہیں لائی گئی کہ وہاں اس سے قبل نہ رسولوں کے آنے کا ذکر تھا اور نہ ہی وحی کے اتارے جانے کا۔ سورۃ الاعراف کی آیت جس کے آخر میں یہ کہا گیا کہ ایسے افتراء کرنے والوں کو انہیں اپنے حصے کا عقاب مل کر رہے گا‘ اُس سے قبل وہاں مکذبین کے استکبار کا اور ان کے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وعید کا ذکر ہو چکا تھا‘ اس لیے آیت کے آخر میں جزا و سزا کا تذکرہ نہایت مناسب تھا۔

اب رہی سورۂ یونس کی آیت جس کے آخر میں کہا گیا: ﴿اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۷﴾﴾ تو اس کا مقابلہ سورۃ الانعام کی پہلی آیت سے کیا جائے جہاں کہا گیا تھا: ﴿اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾۔

ملاحظہ ہو کہ سورۂ یونس کی آیت سے قبل ان کے ایک ایسے جرم کا ذکر ہے جو سورۃ الانعام میں بیان نہیں ہوا۔ وہاں کفار کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

﴿وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ﴾

(آیت ۱۵)

''جب ان پر ہماری کھلی کھلی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے‘ کہتے ہیں: لانا ہے تو کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اسے بدل ڈالو!''

یہ لوگ عربوں میں اپنی فصاحت اور بلاغت کی وجہ سے مشہور تھے‘ قرآن کی فصاحت کا بخوبی ادراک

رکھتے تھے' قرآن کے سامنے اپنے آپ کو عاجز سمجھتے تھے' اس کے باوجود انہوں نے جان بوجھ کر قرآن کا انکار کیا کہ جس کا اظہار اس آیت میں بخوبی کیا گیا ہے:

﴿فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۳۳﴾﴾ (الانعام)

''پس (اے نبی ﷺ!) بے شک یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔''

اب دیکھئے کہ وہ نہ صرف منکر قرآن تھے بلکہ اس کو بدل ڈالنے کا مطالبہ کر رہے تھے' گویا جان بوجھ کر کفر کا ارتکاب کر رہے تھے' اس لیے یہاں ان کے لیے مجرمین کا خطاب نہایت موزوں تھا: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝﴾۔

سورۃ الانعام میں چونکہ صرف ان کی سرکشی' اپنی جانوں پر ظلم کرنے اور تورات سے آنکھیں چھپانے کا ذکر تھا اس لیے وہاں ظالمین کے خطاب سے یاد کیا گیا۔ فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝﴾۔

اور جہاں تک سورۃ العنکبوت اور سورۃ الصّف کی آیات کا تعلق ہے تو پچھلی آیات کے ضمن میں جو وضاحت آ چکی ہے' وہ کفایت کرے گی۔

ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں ان کے ظلم کا تذکرہ ہے' اور پھر اگر ظلم کے ساتھ جھوٹ اور افتراء کا اضافہ ہو جائے تو جس طرح خیر میں اعمال کے اعتبار سے ترقی ہوتی چلی جاتی ہے' اسی طرح شر میں بھی ترقی کی طرف رجحان پایا جاتا ہے' ظلم کے بعد مجرمین کا وصف بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اور سورۂ یونس میں تو پہلے بھی مجرمین کا تذکرہ آ چکا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۳﴾﴾

''اور وہ نہیں تھے ایمان لانے والے۔ اور ہم اسی طرح مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں۔''

اور یہ بھی ملاحظہ ہو کہ ظلم پر بھی کامیاب ہونے کی نفی کی گئی ہے: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝﴾ اور مجرمین کے کامیاب ہونے کی بھی نفی کی گئی ہے: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝﴾۔ لیکن ''جرم'' میں ''ظلم'' کے مقابلے میں زیادہ شدت پائی جاتی ہے اور بدعملی کی زیادہ مذمت بھی پائی جاتی ہے۔

اب رہا دوسرا سوال کہ سورۃ الصّف وہ واحد آیت ہے جہاں ''الۡكَذِب'' (ال کے ساتھ) کہا گیا ہے جبکہ باقی دوسری آیات میں ''كَذِبًا'' نکرہ آیا ہے تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ سورۃ الصّف کی آیات ہی میں ان کے جھوٹ کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسری آیات میں ان کے جھوٹ کا اجمالی ذکر تھا۔

سورۃ الصّف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ﴾

''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں' جو تورات میرے سامنے ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہے۔''

(باقی صفحہ 38 پر)

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب و تدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ الانفال

آیات ۴۵ تا ۴۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِیْعُوا
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۴۶﴾
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ
مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ
مِّنْكُمْ اِنِّیْۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

ب ط ر

بَطِرَ یَبْطَرُ (س) بَطَرًا : (۱) زیادہ نعمت پا کر بہک جانا' اِترا جانا۔ (۲) نعمت کی ناشکری کرنا' ناقدری کرنا۔ زیر مطالعہ آیت ۴۷ اور ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ۚ﴾ (القصص:۵۸) ''اور ہم نے ہلاک کیں کتنی ہی ایسی بستیاں جنہوں نے ناقدری کی اپنی معیشت کی۔''

ن ك ص

نَكَصَ یَنْكِصُ (ض) نُكُصًا : کسی چیز سے پیچھے ہٹنا' پسپا ہونا۔ زیر مطالعہ آیت ۴۸

ترکیب : (آیت ۴۶) ''فَتَفْشَلُوْا'' کا فاسیہ ہے اور اسی پر عطف ہونے کی وجہ سے ''تَذْهَبَ'' بھی حالت نصب میں آیا ہے۔ (آیت ۴۷) ''بَطَرًا'' اور ''رِئَآءَ النَّاسِ'' دونوں حال ہیں اور اس کے آگے پورا جملہ

’’یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ‘‘ بھی حال ہے۔

ترجمہ:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ : اے لوگو جو	اٰمَنُوۡۤا : ایمان لائے
اِذَا : جب بھی	لَقِیۡتُمۡ : تم سامنے آؤ
فِئَۃً : کسی جماعت کے	فَاثۡبُتُوۡا : تو تم ڈٹے رہو
وَاذۡکُرُوا : اور یاد کرو	اللّٰہَ : اللہ کو
کَثِیۡرًا : کثرت سے	لَّعَلَّکُمۡ : شاید تم
تُفۡلِحُوۡنَ : مراد پاؤ	وَاَطِیۡعُوا : اور اطاعت کرو
اللّٰہَ : اللہ کی	وَرَسُوۡلَہٗ : اور اس کے رسول ﷺ کی
وَلَا تَنَازَعُوۡا : اور آپس میں کھینچا تانی نہ کرو	فَتَفۡشَلُوۡا : نتیجتاً تم ہمت ہار جاؤ گے
وَتَذۡھَبَ : اور نتیجتاً اکھڑ جائے گی	رِیۡحُکُمۡ : تمہاری ہوا
وَاصۡبِرُوۡا : اور ثابت قدم رہو	اِنَّ اللّٰہَ : یقیناً اللہ
مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ : ثابت قدموں کے ساتھ ہے	وَلَا تَکُوۡنُوۡا : اور تم مت ہونا
کَالَّذِیۡنَ : ان لوگوں جیسے جو	خَرَجُوۡا : نکلے
مِنۡ دِیَارِھِمۡ : اپنے گھروں سے	بَطَرًا : اتراتے ہوئے
وَّرِئَآءَ النَّاسِ : اور لوگوں کا دکھاوا کرتے ہوئے	وَیَصُدُّوۡنَ : اور روکتے ہوئے
عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ : اللہ کی راہ سے	وَاللّٰہُ : اور اللہ
بِمَا : اس کا جو	یَعۡمَلُوۡنَ : وہ کرتے ہیں
مُحِیۡطٌ : احاطہ کرنے والا ہے	وَاِذۡ : اور جب
زَیَّنَ : مزیّن کیا	لَھُمُ : ان کے لیے
الشَّیۡطٰنُ : شیطان نے	اَعۡمَالَھُمۡ : ان کے اعمال کو
وَقَالَ : اور اس نے کہا	لَا غَالِبَ : کوئی غلبہ پانے والا نہیں ہے
لَکُمُ : تم لوگوں پر	الۡیَوۡمَ : آج کے دن
مِنَ النَّاسِ : لوگوں میں سے	وَاِنِّیۡ : اور یہ کہ میں
جَارٌ : حمایتی ہوں	لَّکُمۡ : تمہارے لیے
فَلَمَّا : پھر جب	تَرَآءَتِ : آمنے سامنے ہوئیں
الۡفِئَتٰنِ : دو جماعتیں	نَکَصَ : تو وہ پلٹا

عَلٰی عَقِبَیْهِ : اپنی دونوں ایڑیوں پر — وَقَالَ : اور اس نے کہا

اِنِّیْ : بے شک میں — بَرِیْٓءٌ : بری ہوں

مِّنْکُمْ : تم لوگوں سے — اِنِّیْٓ : بے شک میں

اَرٰی : دیکھتا ہوں — مَا : اس کو جو

لَا تَرَوْنَ : تم نہیں دیکھتے — اِنِّیْٓ : بے شک میں

اَخَافُ : ڈرتا ہوں — اللّٰهَ : اللہ سے

وَاللّٰهُ : اور اللہ — شَدِیْدُ الْعِقَابِ : پکڑنے کا سخت ہے

نوٹ : (آیت ۴۶ میں) ''لَا تَنَازَعُوْا'' فرمایا ہے، یعنی باہمی کشاکش کو روکا ہے، رائے کے اختلاف یا اس کے اظہار سے منع نہیں کیا۔ اختلافِ رائے جو دیانت اور اخلاص کے ساتھ ہو وہ کبھی نزاع کی صورت اختیار نہیں کرتا۔ نزاع و جدال وہیں ہوتا ہے جہاں اختلافِ رائے کے ساتھ اپنی بات منوانے اور دوسرے کی بات نہ ماننے کا جذبہ کام کر رہا ہو۔ (معارف القرآن)

آیات ۴۹ تا ۵۸

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ
فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ
وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ
بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى
قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا
ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ
مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ
فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ
عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

__ش ر د__

شَرَدَ یَشْرُدُ (ن) شَرْدًا : بدکنا، بھاگنا۔

شَرَّدَ (تفعیل) تَشْرِیْدًا : ڈرانا، بھگانا۔ زیر مطالعہ آیت ۵۷

ترکیب: (آیت ۵۱) ''لَيْسَ بِظَلَّامٍ'' کا ترجمہ سمجھنے کے لیے آل عمران: ۱۸۲' نوٹ ۳ کو دوبارہ دیکھ لیں۔ (آیت ۵۳) ''بِاَنَّ'' کا اسم ''اَللّٰهَ'' ہے۔ اور ''لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا'' پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اس جملہ میں ''لَمْ يَكُ'' دراصل ''لَمْ يَكُنْ'' ہے۔ اس کا دونوں طرح استعمال جائز ہے اور قرآن مجید میں بھی یہ دونوں طرح آیا ہے۔ اس جملہ میں ''لَمْ يَكُ'' کا اسم ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے' جبکہ ''مُغَيِّرًا'' اسم الفاعل ہے۔ اس نے فعل کا عمل کیا ہے اور ''نِعْمَةً'' اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالتِ نصب میں ہے۔ ''يُغَيِّرُوْا'' کا فاعل اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو ''قَوْمٍ'' کے لیے ہے۔ (آیت ۵۶) ''لَا يَتَّقُوْنَ'' کا مفعول ''نَقْضَ الْعَهْدِ'' محذوف ہے۔ (آیت ۵۷) ''فَشَرِّدْ'' کا مفعول ''مَنْ'' ہے جبکہ ''خَلْفَهُمْ'' ظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔

ترجمہ:

اِذْ : جب	يَقُوْلُ : کہتے تھے
الْمُنٰفِقُوْنَ : منافق لوگ	وَالَّذِيْنَ : اور وہ لوگ جن کے
فِيْ قُلُوْبِهِمْ : دلوں میں	مَّرَضٌ : ایک مرض تھا
غَرَّ : دھوکا دیا	هٰٓؤُلَآءِ : ان کو
دِيْنُهُمْ : ان کے دین نے	وَ : حالانکہ
مَنْ : جو	يَّتَوَكَّلْ : بھروسہ کرتا ہے
عَلَى اللّٰهِ : اللہ پر	فَاِنَّ اللّٰهَ : تو یقیناً اللہ
عَزِيْزٌ : بالادست ہے	حَكِيْمٌ : حکمت والا ہے
وَلَوْ : اور اگر	تَرٰٓى : آپؐ دیکھتے
اِذْ : جب	يَتَوَفَّى : پورا پورا لیتے تھے
الَّذِيْنَ : ان کو جنھوں نے	كَفَرُوا : کفر کیا
الْمَلٰٓئِكَةُ : فرشتے	يَضْرِبُوْنَ : مارتے ہوئے
وُجُوْهَهُمْ : ان کے چہروں کو	وَاَدْبَارَهُمْ : اور ان کی پیٹھوں کو
وَذُوْقُوْا : اور (کہتے ہوئے کہ) چکھو	عَذَابَ الْحَرِيْقِ : جلنے کا عذاب
ذٰلِكَ : یہ	بِمَا : بسبب اس کے ہے جو
قَدَّمَتْ : آگے بھیجا	اَيْدِيْكُمْ : تمہارے ہاتھوں نے
وَاَنَّ : اور یہ کہ	اللّٰهَ : اللہ
لَيْسَ : نہیں ہے	بِظَلَّامٍ : کچھ بھی ظلم کرنے والا

لِّلْعَبِيْدِ :بندوں پر
وَالَّذِيْنَ :اوران کی طرح جو
كَفَرُوْا :انہوں نے انکار کیا
فَاَخَذَهُمُ :تو پکڑا ان کو
بِذُنُوْبِهِمْ:ان کے گناہوں کے سبب سے
قَوِيٌّ :قوت والا ہے
ذٰلِكَ :یہ
اللّٰهَ :اللہ
مُغَيِّرًا :بدلنے والا
اَنْعَمَهَا :اس نے انعام کیا جسے
حَتّٰى :یہاں تک کہ
مَا :اس کو جو
وَاَنَّ :اور یہ کہ
سَمِيْعٌ :سننے والا ہے
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ:فرعون کے پیروکاروں کی عادت کی طرح
مِنْ قَبْلِهِمْ :ان سے پہلے تھے
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ :اپنے رب کی نشانیوں کو
بِذُنُوْبِهِمْ :ان کے گناہوں کے سبب سے
اٰلَ فِرْعَوْنَ:فرعون کے پیروکاروں کو
كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ :ظلم کرنے والے تھے
شَرَّ الدَّوَآبِّ :چلنے والے جانداروں کے بدترین
اَلَّذِيْنَ :وہ لوگ ہیں جنہوں نے
فَهُمْ :پھر وہ
اَلَّذِيْنَ :وہ لوگ
مِنْهُمْ :جن سے

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ :فرعون کے پیروکاروں کی عادت کی طرح
مِنْ قَبْلِهِمْ :ان سے پہلے تھے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ :اللہ کی نشانیوں کا
اللّٰهُ :اللہ نے
اِنَّ اللّٰهَ :بے شک اللہ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ :پکڑنے کا سخت ہے
بِاَنَّ :اس سبب سے ہے کہ
لَمْ يَكُ :ہرگز نہیں ہے
نِّعْمَةً :کسی ایسی نعمت کو
عَلٰى قَوْمٍ :کسی قوم پر
يُغَيِّرُوْا :وہ بدلیں
بِاَنْفُسِهِمْ :ان کے جیوں میں ہے
اللّٰهَ :اللہ
عَلِيْمٌ :جاننے والا ہے
وَالَّذِيْنَ :اوران کی طرح جو
كَذَّبُوْا :انہوں نے جھٹلایا
فَاَهْلَكْنٰهُمْ :تو ہم نے ہلاک کیا ان کو
وَاَغْرَقْنَآ :اور ہم نے غرق کیا
وَكُلٌّ :اور سب کے سب
اِنَّ :بے شک
عِنْدَ اللّٰهِ :اللہ کے نزدیک
كَفَرُوْا :کفر کیا
لَا يُؤْمِنُوْنَ :ایمان نہیں لاتے ہیں
عٰهَدْتَّ :آپ نے معاہدہ کیا
ثُمَّ :پھر

يَنۡقُضُوۡنَ : وہ توڑتے ہیں	عَهۡدَهُمۡ : اپنے عہد کو
فِیۡ كُلِّ مَرَّةٍ : ہر بار	وَّهُمۡ : اور وہ
لَا يَتَّقُوۡنَ : ڈرتے نہیں (عہد توڑنے سے)	فَاِمَّا : تو اگر کبھی بھی
تَثۡقَفَنَّهُمۡ : آپؐ پائیں ان کو	فِی الۡحَرۡبِ : جنگ میں
فَشَرِّدۡ : تو آپؐ بھگائیں	بِهِمۡ : ان کے ذریعہ سے
مَّنۡ : ان کو جو	خَلۡفَهُمۡ : ان کے پیچھے ہیں
لَعَلَّهُمۡ : شاید وہ	يَذَّكَّرُوۡنَ : نصیحت حاصل کریں
وَاِمَّا : اور اگر کبھی بھی	تَخَافَنَّ : آپؐ کو خوف ہو
مِنۡ قَوۡمٍ : کسی قوم سے	خِيَانَةً : کسی خیانت کا (معاہدہ میں)
فَانۡۢبِذۡ : تو آپؐ پھینک دیں (معاہدہ کو)	اِلَيۡهِمۡ : ان کی طرف
عَلٰى سَوَآءٍ : برابر برابر پر	اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ
لَا يُحِبُّ : پسند نہیں کرتا	الۡخَآئِنِيۡنَ : خیانت کرنے والوں کو

نوٹ ۱: اللہ تعالیٰ کی نعمت و رحمت تو اُس کے ربّ العالمین ہونے کے نتیجہ میں خود بخود ہے۔ البتہ اس نعمت کو قائم رکھنے کا ایک ضابطہ آیت ۵۳ میں بیان کیا گیا ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیتے ہیں' اسے اس وقت تک واپس نہیں لیتے جب تک وہ اپنے حالات اور اعمال کو بدل کر خود ہی اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دے۔

قریش کے متعلق تفسیر مظہری میں معتمد کتب تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کلاب بن مرّہ' جو رسول اللہ ﷺ کے نسب میں تیسرے دادا ہیں' دین ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے پابند اور اس پر قائم تھے۔ قُصی بن کلاب کے زمانہ میں قریش میں بُت پرستی کا آغاز ہوا۔ ان سے پہلے کعب بن لوی ان کے دینی قائد تھے۔ وہ جمعہ کے روز سب کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتے اور بتلایا کرتے تھے کہ ان کی اولاد میں خاتم الانبیاء (ﷺ) پیدا ہوں گے۔ ان کا اتباع سب پر لازم ہوگا اور جو ان پر ایمان نہ لائے گا اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کے بارے میں ان کے عربی اشعار شعراءِ جاہلیت میں مشہور و معروف ہیں (معارف القرآن سے ماخوذ) —— قریش نے بُت پرستی اختیار کر کے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر کے اپنی موت و ہلاکت کو دعوت دی۔

نوٹ ۲: آیت ۵۸ کی رو سے ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اگر کسی سے ہمارا معاہدہ ہو اور ہمیں اس کے طرزِ عمل سے یہ شکایت ہو جائے کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی برت رہا ہے یا یہ اندیشہ ہو کہ موقع پاتے ہی وہ ہمارے ساتھ غداری کرے گا' تو ہم اپنی جگہ خود فیصلہ کر لیں کہ اب معاہدہ نہیں رہا۔ اس کے برعکس اس آیت میں ہمیں پابند کیا گیا ہے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو کوئی کارروائی کرنے سے پہلے فریق ثانی کو بتا دیں کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا تاکہ فسخ معاہدہ کا جیسا علم ہم کو حاصل ہے ویسا ہی اس کو بھی ہو جائے۔ (فَانۡۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى

سَوَآءٍ کا یہی مطلب ہے۔) البتہ اگر فریق ثانی علی الاعلان معاہدہ توڑ چکا ہو اور اس نے صریح طور پر ہمارے خلاف معاندانہ کارروائی کی ہو تو ایسی صورت میں فسخ معاہدہ کا نوٹس دینا ضروری نہیں ہے' بلکہ ہمیں بلا اطلاع جنگی کارروائی کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی سند یہ ہے کہ قریش نے جب بنی خزاعہ کے معاملہ میں صلح حدیبیہ کو اعلانیہ توڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فسخ معاہدہ کا نوٹس دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور بلا اطلاع مکہ پر چڑھائی کی۔ (تفہیم القرآن)

آیات ۵۹ تا ۶۴

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ
وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ
اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰ وَاِنْ
جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ
يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ وَاَلَّفَ بَيْنَ
قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ
اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۳ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۴

ترجمہ:

وَلَا يَحْسَبَنَّ : اور ہرگز گمان نہ کریں	الَّذِيْنَ : وہ جنہوں نے
كَفَرُوْا : کفر کیا	سَبَقُوْا : (کہ) وہ بھاگ نکلے
اِنَّهُمْ : یقیناً وہ	لَا يُعْجِزُوْنَ : عاجز نہیں کریں گے (ہم کو)
وَاَعِدُّوْا : اور تم تیار کرو	لَهُمْ : ان کے لیے
مَّا : اس کو جو	اسْتَطَعْتُمْ : تمہارے بس میں ہے
مِّنْ قُوَّةٍ : قوت میں سے	وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ : اور گھوڑوں کے تیار کرنے سے
تُرْهِبُوْنَ : تم دھاک بٹھاؤ گے	بِهٖ : اس سے
عَدُوَّ اللّٰهِ : اللہ کے دشمنوں پر	وَعَدُوَّكُمْ : اور اپنے دشمنوں پر
وَاٰخَرِيْنَ : اور دوسروں پر	مِنْ دُوْنِهِمْ : ان کے علاوہ میں سے
لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ : تم نہیں جانتے ان کو	اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ : اللہ جانتا ہے ان کو
وَمَا : اور جو	تُنْفِقُوْا : تم خرچ کرو گے

مِنْ شَیْءٍ : کسی چیز میں سے	فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ : اللہ کی راہ میں
یُوَفَّ : تو اس کو پورا پورا لوٹایا جائے گا	اِلَیْکُمْ : تمہاری طرف
وَاَنْتُمْ : اور تم پر	لَا تُظْلَمُوْنَ : ظلم نہیں کیا جائے گا
وَاِنْ : اور اگر	جَنَحُوْا : وہ مائل ہوں
لِلسَّلْمِ : صلح کے لیے	فَاجْنَحْ : تو آپؐ بھی مائل ہوں
لَهَا : اس کے لیے	وَتَوَکَّلْ : اور آپؐ بھروسہ رکھیں
عَلَی اللّٰهِ : اللہ پر	اِنَّهٗ : بے شک وہ
هُوَ السَّمِیْعُ : ہی سننے والا ہے	الْعَلِیْمُ : جاننے والا ہے
وَاِنْ : اور اگر	یُّرِیْدُوْٓا : وہ ارادہ کریں
اَنْ : کہ	یَّخْدَعُوْكَ : وہ دھوکہ دیں آپؐ کو
فَاِنَّ : تو بے شک	حَسْبَكَ : کافی ہے آپؐ کو
اللّٰهُ : اللہ	هُوَ : وہ
الَّذِیْٓ : وہ ہے جس نے	اَیَّدَكَ : تقویت دی آپؐ کو
بِنَصْرِهٖ : اپنی مدد کے ذریعہ سے	وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ : اور مؤمنوں کے ذریعہ سے
وَاَلَّفَ : اور اس نے محبت پیدا کی	بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ : ان کے دلوں کے مابین
لَوْ : اگر	اَنْفَقْتَ : آپؐ خرچ کرتے
مَا : اس کو جو	فِی الْاَرْضِ : زمین میں ہے
جَمِیْعًا : سب کا سب	مَّآ اَلَّفْتَ : تو آپؐ محبت پیدا نہ کر سکتے
بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ : ان کے دلوں کے مابین	وَلٰکِنَّ : اور لیکن
اللّٰهَ : اللہ نے	اَلَّفَ : محبت پیدا کی
بَیْنَهُمْ : ان کے مابین	اِنَّهٗ : بے شک وہ
عَزِیْزٌ : بالا دست ہے	حَکِیْمٌ : حکمت والا ہے
یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ : اے نبی (ﷺ)	حَسْبُكَ : کافی ہے آپؐ کو
اللّٰهُ : اللہ	وَمَنِ : اور ان کو جو
اتَّبَعَكَ : ہم قدم رہے آپؐ کے	مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ : مؤمنوں میں سے

نوٹ : عرب کا عام دستور یہ تھا کہ جب کوئی جنگی مہم پیش آتی تو رضا کار سپاہی‘ جو سامان اسے میسر ہوتا‘ اس کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوتا۔ آیت ۶۰ میں ہدایت کی گئی ہے کہ سامانِ جنگ اور ایک مستقل فوج (standing army) ہر وقت تیار رہنی چاہیے تاکہ بوقت ضرورت فوری جنگی کارروائی کی جاسکے۔

آیات ۶۵ تا ۶۹

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا
مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ ۶۵
اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا
مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۶۶ مَا كَانَ
لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰي حَتّٰي يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ
الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۶۷ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ۝ ۶۸ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۶۹

ث خ ن

ثَخُنَ يَثْخُنُ (ک) ثِخَانَةً : گاڑھا ہونا۔

اَثْخَنَ (افعال) اِثْخَانًا: گاڑھا کرنا۔ پھر استعارۃً خوب خونریزی کرنے کے لیے آتا ہے۔ زیر مطالعہ آیت ۶۷

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ : اے نبی (ﷺ)
حَرِّضِ : آپؐ اُکسائیں
الْمُؤْمِنِيْنَ : مؤمنوں کو
عَلَى الْقِتَالِ : جنگ پر
اِنْ : اگر
يَّكُنْ : ہوں گے
مِّنْكُمْ : تم میں سے
عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ : ثابت قدم رہنے والے بیس
يَغْلِبُوْا : تو وہ غالب ہوں گے
مِائَتَيْنِ : دو سو پر
وَاِنْ : اور اگر
يَّكُنْ : ہوں گے
مِّنْكُمْ : تم میں سے
مِّائَةٌ : (ثابت قدم رہنے والے) ایک سو
يَّغْلِبُوْٓا : تو وہ غالب ہوں گے
اَلْفًا : ایک ہزار پر
مِّنَ الَّذِيْنَ : ان میں سے جنہوں نے
كَفَرُوْا : کفر کیا
بِاَنَّهُمْ : اس سبب سے کہ وہ
قَوْمٌ : ایک ایسی قوم ہیں جو
لَّا يَفْقَهُوْنَ : سوجھ بوجھ نہیں رکھتے
اَلْئٰنَ : اب
خَفَّفَ : ہلکا کیا (بوجھ)
اللّٰهُ : اللہ نے
عَنْكُمْ : تم سے
وَعَلِمَ : اور اس نے جانا
اَنَّ : کہ
فِيْكُمْ : تم لوگوں میں

ضَعْفًا : کچھ کمزوری ہے

یَّکُنْ : ہوں گے

مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ: ثابت قدم رہنے والے ایک سو

مِائَتَیْنِ : دوسو پر

یَّکُنْ : ہوں گے

اَلْفٌ: (ثابت قدم رہنے والے) ایک ہزار

اَلْفَیْنِ : دو ہزار پر

وَاللّٰہُ : اور اللہ

مَا کَانَ :نہیں ہے (مناسب)

اَنْ : کہ

لَہٗٓ :اس کے لیے

حَتّٰی : یہاں تک کہ

فِی الْاَرْضِ :زمین میں

عَرَضَ الدُّنْیَا : دنیا کا سامان

یُرِیْدُ : چاہتا ہے

وَاللّٰہُ : اور اللہ

حَکِیْمٌ :حکمت والا ہے

کِتٰبٌ :لکھا ہوا

سَبَقَ : پہلے سے

فِیْمَآ :اس میں جو

عَذَابٌ عَظِیْمٌ :ایک بڑا عذاب

مِمَّا :اس میں سے جو

حَلٰلًا : حلال ہوتے ہوئے

وَّاتَّقُوا :اور تقویٰ اختیار کرو

اِنَّ اللّٰہَ : بے شک اللہ

رَّحِیْمٌ :رحم کرنے والا ہے

فَاِنْ : پس اگر

مِّنْکُمْ :تم میں سے

یَّغْلِبُوْا :تو وہ غالب ہوں گے

وَاِنْ :اور اگر

مِّنْکُمْ :تم میں سے

یَّغْلِبُوْٓا :تو وہ غالب ہوں گے

بِاِذْنِ اللّٰہِ :اللہ کی اجازت سے

مَعَ الصّٰبِرِیْنَ :ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے

لِنَبِیٍّ :کسی نبی کے لیے

یَّکُوْنَ :ہوں

اَسْرٰی : کچھ قیدی

یُثْخِنَ :وہ خوب خونریزی کرے

تُرِیْدُوْنَ :تم چاہتے ہو

وَاللّٰہُ :اور اللہ

الْاٰخِرَۃَ : آخرت کو

عَزِیْزٌ :بالادست ہے

لَوْلَا :اگر نہ ہوتا

مِّنَ اللّٰہِ :اللہ (کی طرف) سے

لَمَسَّکُمْ :تو ضرور چھوتا تم کو

اَخَذْتُمْ :تم لوگوں نے لیا

فَکُلُوْا :پس تم کھاؤ

غَنِمْتُمْ :تم نے غنیمت حاصل کی

طَیِّبًا :پاکیزہ ہوتے ہوئے

اللّٰہَ:اللہ کا

غَفُوْرٌ :بخشنے والا ہے

نوٹ ۱: آج کل کی اصطلاح میں جس چیز کو اخلاقی قوت (morale) کہتے ہیں، آیت ۶۵ میں اسی کو فقہ یعنی سمجھ بوجھ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ لفظ اس مفہوم کے لیے جدید اصطلاح سے زیادہ سائنٹیفک ہے۔ جو شخص اپنے مقصد کا صحیح شعور رکھتا ہو اور ٹھنڈے دل سے خوب سوچ سمجھ کر اس لیے لڑ رہا ہو کہ اس مقصد کے ضائع ہو جانے کے بعد جینا بے قیمت ہے، وہ بے شعوری سے لڑنے والے آدمی سے کئی گنا زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہستی، اس کے ساتھ اپنے تعلق، حیاتِ دنیا، حیات بعد موت وغیرہ کی حقیقتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو، اس کی طاقت کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو قومیّت یا وطنیّت کا شعور لیے ہوئے میدان میں آئیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ ایک سوجھ بوجھ رکھنے والے مؤمن اور ایک کافر کے درمیان، حقیقت کے شعور اور عدم شعور کی وجہ سے فطرتاً ایک اور دس کی نسبت ہے، لیکن اس کے ساتھ صبر کی صفت بھی ایک لازمی شرط ہے۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ ۲: جنگ بدر میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ مالِ غنیمت لینے اور کفار کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں لگ گیا اور بہت کم لوگوں نے کچھ دور تک دشمنوں کا تعاقب کیا۔ حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ مسلمانوں کی اس روش پر آیت ۶۷ میں اللہ تعالیٰ نے گرفت کی ہے اور بتایا ہے کہ تم لوگ ابھی نبی کے مشن کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہو۔ نبی کا اصل کام یہ نہیں ہے کہ فدیے اور غنائم وصول کر کے خزانے بھرے، بلکہ اس کے نصب العین سے جو چیز براہِ راست تعلق رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے۔ (تفہیم القرآن)

آیات ۷۰ تا ۷۵

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا
مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ
قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ مِنْكُمْ ۭ
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترکیب: (آیت ۷۳) ''اِلَّا'' استثناء کا نہیں ہے بلکہ ''اِنْ'' شرطیہ اور ''لا'' نافیہ کو ملا کر لکھا گیا ہے۔

''تَفۡعَلُوۡہُ'' میں ضمیر مفعولی آیت ۲۷ کے حکم کے لیے ہے جس میں معاہدہ کی پابندی کی شرط کے ساتھ غیر ملکی مسلمانوں کی مدد کا حکم ہے۔ ''تَکُنۡ'' جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔

ترجمہ:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ : اے نبی (ﷺ)	قُلۡ : آپ کہہ دیجیے
لِّمَنۡ : ان سے جو	فِیۡۤ اَیۡدِیۡکُمۡ : تمہارے ہاتھوں (یعنی قبضہ) میں ہیں
مِّنَ الۡاَسۡرٰۤی : قیدیوں میں سے	اِنۡ : اگر
یَّعۡلَمِ : جانے گا	اللّٰهُ : اللہ
فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ : تمہارے دلوں میں	خَیۡرًا : کوئی بھلائی
یُّؤۡتِکُمۡ : تو وہ دے گا تم کو	خَیۡرًا مِّمَّاۤ : اس سے بہتر جو
اُخِذَ : لیا گیا	مِنۡکُمۡ : تم سے
وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ : اور وہ بخش دے گا تم کو	وَاللّٰهُ : اور اللہ
غَفُوۡرٌ : بے انتہا بخشنے والا ہے	رَّحِیۡمٌ : ہر حال میں رحم کرنے والا ہے
وَاِنۡ : اور اگر	یُّرِیۡدُوۡا : وہ ارادہ کریں گے
خِیَانَتَکَ : آپ سے خیانت کا	فَقَدۡ خَانُوا : تو انہوں نے خیانت کی ہے
اللّٰهَ : اللہ سے	مِنۡ قَبۡلُ : اس سے پہلے
فَاَمۡکَنَ : نتیجتاً اُس نے (آپ کے) قابو میں دیا	مِنۡهُمۡ : ان میں سے (کچھ کو)
وَاللّٰهُ : اور اللہ	عَلِیۡمٌ : جاننے والا ہے
حَکِیۡمٌ : حکمت والا ہے	اِنَّ : بے شک
الَّذِیۡنَ : وہ لوگ جو	اٰمَنُوۡا : ایمان لائے
وَهَاجَرُوۡا : اور ہجرت کی	وَجٰهَدُوۡا : اور جہاد کیا
بِاَمۡوَالِهِمۡ : اپنے اموال سے	وَاَنۡفُسِهِمۡ : اور اپنی جانوں سے
فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ : اللہ کی راہ میں	وَالَّذِیۡنَ : اور وہ لوگ جنہوں نے
اٰوَوۡا : ٹھکانہ دیا	وَّنَصَرُوۡۤا : اور مدد کی
اُولٰٓئِکَ : وہ لوگ ہیں (کہ)	بَعۡضُهُمۡ : ان کے بعض
اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ : بعض کے کارساز ہیں	وَالَّذِیۡنَ : اور وہ لوگ جو

اٰمَنُوْا : ایمان لائے
مَا لَکُمْ : تو تمہارے لیے نہیں ہے
مِّنْ شَیْءٍ : کسی چیز میں
یُھَاجِرُوْا : وہ ہجرت کریں
اسْتَنْصَرُوْکُمْ : وہ مدد مانگیں تم سے
فَعَلَیْکُمُ : تو تم پر (واجب) ہے
اِلَّا : سوائے
بَیْنَکُمْ : (کہ) تمہارے درمیان
مِّیْثَاقٌ : کوئی معاہدہ ہے
بِمَا : اس کو جو
بَصِیْرٌ : دیکھنے والا ہے
کَفَرُوْا : کفر کیا
اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ : بعض کے کارساز ہیں
تَکُنْ : تو ہو جائے گا (یعنی پھیل جائے گا)
فِی الْاَرْضِ : زمین میں
وَالَّذِیْنَ : اور وہ لوگ جو
وَھَاجَرُوْا : اور ہجرت کی
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ : اللہ کی راہ میں
اٰوَوْا : ٹھکانہ دیا
اُولٰٓئِکَ : وہ لوگ
حَقًّا : حقیقتاً
مَّغْفِرَۃٌ : مغفرت ہے
وَالَّذِیْنَ : اور وہ لوگ جو
مِنْ بَعْدُ : اس کے بعد
وَجٰھَدُوْا : اور جہاد کیا
فَاُولٰٓئِکَ : تو وہ لوگ
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ : اور رشتوں والے

وَلَمْ یُھَاجِرُوْا : اور ہجرت نہیں کی
مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ : ان سے کوئی بھی سروکار
حَتّٰی : یہاں تک کہ
وَاِنِ : اور اگر
فِی الدِّیْنِ : دین میں
النَّصْرُ : مدد کرنا
عَلٰی قَوْمٍ : ایسی قوم کے خلاف
وَبَیْنَھُمْ : اور ان کے درمیان
وَاللّٰہُ : اور اللہ
تَعْمَلُوْنَ : تم کرتے ہو
وَالَّذِیْنَ : اور وہ لوگ جنہوں نے
بَعْضُھُمْ : ان کے بعض
اِلَّا تَفْعَلُوْہُ : اگر تم نہیں کرو گے اس کو
فِتْنَۃٌ : تشدد
وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ : اور ایک بڑا عدم توازن
اٰمَنُوْا : ایمان لائے
وَجٰھَدُوْا : اور جہاد کیا
وَالَّذِیْنَ : اور وہ لوگ جنہوں نے
وَّنَصَرُوْٓا : اور مدد کی
ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ : ہی مؤمن ہیں
لَھُمْ : ان کے لیے
وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ : اور باعزت روزی ہے
اٰمَنُوْا : ایمان لائے
وَھَاجَرُوْا : اور ہجرت کی
مَعَکُمْ : تمہارے ساتھ (مل کر)
مِنْکُمْ : تم میں سے ہیں
بَعْضُھُمْ : ان کے بعض

اَوْلٰی : زیادہ قریب ہیں	بِبَعْضٍ : بعض سے
فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ : اللہ کی کتاب میں	اِنَّ اللّٰہَ : بے شک اللہ
بِکُلِّ شَیْءٍ : ہر چیز کو	عَلِیْمٌ : جاننے والا ہے

نوٹ ۱: آیت ۷۲ میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ ''ولایت'' (یعنی سرپرستی اور ذمہ داری) کا تعلق صرف ان دو مسلمانوں کے درمیان ہوگا جو یا تو اسلامی ریاست کے باشندے ہوں یا ہجرت کر کے آ گئے ہوں' اور جو مسلمان اسلامی ریاست سے باہر ہوں ان کے ساتھ ولایت کا تعلق نہیں ہوگا۔ اس عدم ولایت کے قانونی نتائج بہت وسیع ہیں۔ مثلاً دارالکفر اور دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے' ایک دوسرے کے گارڈین نہیں ہو سکتے وغیرہ۔ اس کے باوجود ان کے درمیان دینی اخوت کا رشتہ قائم رہے گا۔ اگر کہیں ان پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی حکومت اور اس کے باشندوں سے مدد مانگیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کریں۔ لیکن یہ فریضہ اندھا دھند انجام نہیں دیا جائے گا بلکہ بین الاقوامی ذمہ داریوں اور اخلاقی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے ہی انجام دیا جاسکے گا۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ ۲: آیت ۷۵ میں وضاحت ہے کہ اسلامی بھائی چارے کی بنا پر میراث قائم نہ ہوگی۔ میراث کے معاملہ میں رشتہ داری کا تعلق ہی قانونی حقوق کی بنیاد رہے گا۔ یہ ارشاد اس بنا پر فرمایا گیا کہ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان جو مواخاۃ کرائی تھی اس کی وجہ سے بعض لوگ یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ دینی بھائی ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے۔ (تفہیم القرآن)

❁❁❁

بقیہ: مِلاکُ التأوِیل

اور اس کے بعد فرمایا:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ ''اور پھر جب وہ کھلی کھلی نشانیاں لے کر آ گیا۔''

یعنی جب محمد ﷺ کہ جن کا نام تک عیسیٰ علیہ السلام نے بتا دیا تھا' دلائل اور براہین کے ساتھ تشریف لے آئے اور تورات کی پیشینگوئیوں کو اپنی آمد سے سچ کر دکھایا تو یہ لوگ چلّا اٹھے:

﴿قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۞﴾ ''کہا کہ یہ تو کھلا کھلا جادو ہے۔''

اور یوں انہوں نے جھوٹ بھی بولا' افتراء پردازی بھی کی' بہتان بھی باندھا' اس لیے ان کے اس جھوٹ کا تذکرہ ''الْکَذِب'' الف لام کے ساتھ کیا گیا تاکہ ان کے جھوٹ کی طرف اشارہ ہو جائے۔

اور یوں واضح ہو جاتا ہے کہ سورۃ الصّف کی آیت باقی آیات سے کیوں مختلف ہے۔ واللہ اعلم!

❁❁❁

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ
ایک علمی اور فقہی جائزہ

مقالہ نگار: پروفیسر حافظ احمد یارؒ

مقدمہ

۱۹۵۱ء کے موسم گرما کا ذکر ہے۔ تحصیل دار علاقہ کا ہمارے گاؤں میں کیمپ تھا۔ مجھے بھی چند کھیتوں کی حد برآری کے سلسلے میں ان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا۔ نواحی دیہات سے ''انتقالاتِ اراضی'' کے متعلق بہت سے لوگ بلائے گئے تھے۔ ازاں جملہ دو ایسے آدمی بھی تھے جو اپنی زندگی ہی میں اپنے یتیم پوتوں کے نام حصۂ زمین منتقل کرانے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ان انتقالات کی تصدیق وغیرہ کے بعد برسبیلِ تذکرہ تحصیل دار صاحب نے فرمایا: ''دیکھئے تو یہ کیسے مسلمان ہیں جو احکامِ الٰہی کی اطاعت سے منحرف ہونے کے لیے حیلے ڈھونڈتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن پوتوں کو محروم الارث رکھا ہے یہ ان کے نام جائیدادیں منتقل کر کے نافرمانی کو نیکی سمجھ رہے ہیں''—— یتیم سے فطری ہمدردی' اسلام کے دینِ حق اور دینِ فطرت ہونے پر ایمان اور تحصیل دار صاحب کا یہ تعجب خیز تبصرہ —— یہ تھے وہ متصادم محرکات جنہوں نے مجھے اسی دن سے اس مسئلہ کی پوری پوری تحقیقات کے لیے بے چین کیے رکھا' تا آنکہ میں نے اسے اپنے مقالہ کا موضوع بنایا۔

اکتوبر ۱۹۵۲ء میں ایم اے میں داخلہ لینے کے بعد ہی میں نے اپنے محترم صدر شعبہ علامہ علاؤ الدین صاحب صدیقی مدظلہ کے سامنے اپنی اس طلب تحقیق کا اظہار کیا تو انہوں نے نہ صرف میرے اس ارادہ وجذبہ کی حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ اپنے عالمانہ مشوروں' مفید ہدایات اور مسلسل ہمدردانہ رہنمائی سے میری محنت میں ایک ذوق پیدا کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ مقالہ انہی کی ہدایت ونگرانی میں اتمام کو پہنچا۔

خصوصاً اس ضمن میں ان کے ذریعے سے مجھے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامی کی مختصر مگر بے نظیر لائبریری سے جو گراں بہا مدد ملی ہے اس کا ذکر نہ کرنا ادائے فرض میں کوتاہی کے مترادف ہوگا۔ عام مروجہ مستند کتابوں کے علاوہ دینی واسلامی علوم پر جدید ترین عربی' فارسی' انگریزی اور اردو لٹریچر' اس لائبریری کی ایسی خصوصیت ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ مجموعہ ان علوم کے ایک جدید (modern) متعلّم کے لیے یقیناً ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

دسمبر ۱۹۵۳ء میں جب کہ میں اس مقالہ کی ترتیب وتہذیب میں مصروف تھا' پنجاب اسمبلی میں یہی مسئلہ زیر بحث آ کر وقت کا خاصا سنسنی خیز مسئلہ بن گیا۔ اس بنا پر مقالہ کو مکمل ترین (up-to-date) صورت دینے کے لیے مجھے بعض جگہ مناسب اضافے بھی کرنے پڑے' لیکن اس ضمن میں اخبارات اور مجالس میں بحث ومباحثہ کا جو سلسلہ چلا اس نے اس افسوسناک حقیقت کا انکشاف کیا کہ عوام تو درکنار ہمارے اہلِ علم حضرات بھی اسلامی قانونِ وراثت سے عموماً بے خبر ہی ہیں۔ اور اس پر حضرت صادق ومصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ حدیث بے اختیار یاد آتی ہے کہ ((تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ فَاِنَّہٗ مِنْ دِیْنِکُمْ وَاِنَّہٗ نِصفُ الْعِلمِ وَاِنَّہٗ اَوَّلُ عِلمٍ یُنْزَعُ مِنْ اُمَّتِیْ))

بہرحال آئندہ صفحات میں ''یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ'' کو محض جذباتی اور مناظرانہ نقطہ نظر سے نہیں بلکہ علمی اور فقہی طریق پر سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور پڑھنے والوں سے بھی یہی جذبہ اور یہی نقطہ نظر متوقع ہے۔

واللّٰہ وَلِیُّ التوفیق وھو یھدی الی سبیل الرشاد

حافظ احمد یار' متعلّم ایم۔اے

رول نمبر ۵۶۵ (۱۹۵۴ء)

تمہید

ملکیت' جائیداد اور وراثت کے مسائل تمدنِ انسانی کے لوازمات میں سے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمدن و حضارت کے مختلف درجات اور الگ الگ اثرات نے ان مسائل کے متعلق بھی متعدد نظریات اور تصورات پیدا کر دیے ہیں۔[۱]

اسلام میں ـــــ جو انسان کے روحانی ومادی ارتقاء وکمال کے لیے خود انسان کے خالق ومالک کا تجویز کردہ دستور العمل ہے ـــــ دوسرے تمدنی ومعاشرتی مسائل کی طرح قانونِ وراثت کو بھی اس خوبی' جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کر کے پیش کیا گیا ہے کہ جہاں ایک طرف وہ دورانِ دولت کے بہترین اصولوں پر مبنی ہونے کے باعث ایک نہایت معتدل ومتوازن اقتصادی نظام قائم کرتا ہے' وہاں وہ قریب قریب ہر قسم کے رشتہ داروں کے دعاویٔ وراثت کو اپنے اپنے موقع ومحل پر زیرنظر رکھ کر ایک ایسا معاشرہ تیار کرنا چاہتا ہے جس کے افراد باہمی خیر خواہی اور نفع رسانی کی بنا پر ایک مضبوط رشتے میں مربوط ہو جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ علم الفرائض (اسلامی قانونِ وراثت) اسلام میں ایک نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ خود قرآن

حکیم نے فرائض کے جاری نہ کرنے پر سخت عذاب سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں آیاتِ میراث کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾﴾

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی قائم کردہ حدوں سے تجاوز کرے گا تو اللہ اسے آگ میں ڈالے گا' جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن سزا ہوگی۔''

چونکہ احکامِ وراثت کا تعلق براہِ راست روزمرہ کی عملی زندگی کے نہایت اہم پہلو سے ہے' اس لیے نبی اکرم ﷺ نے بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس علم کی طرف خصوصاً توجہ دلائی اور اسے دین کا نہایت ضروری جزء قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

(۱) تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ فَاِنَّهٗ مِنْ دِيْنِكُمْ وَاِنَّهٗ نِصْفُ الْعِلْمِ وَاِنَّهٗ اَوَّلُ عِلْمٍ يُنْزَعُ مِنْ اُمَّتِيْ [۲]

''قانون وراثت کو سیکھو' کیونکہ یہ تمہارے دین (کی اہم ضروریات) میں سے ہے اور یہ آدھا علم (دین) ہے اور یہی علم سب سے پہلے میری اُمت سے اٹھالیا جائے گا۔''

(۲) تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ، فَاِنِّيْ امْرُؤٌ مَقْبُوْضٌ وَاِنَّ الْعِلْمَ سَيُقْبَضُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفُ اثْنَانِ فِي الْفَرِيْضَةِ فَلَا يَجِدَانِ مَنْ يَقْضِيْ فِيْهَا [۳]

''علم وراثت کو سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ' کیونکہ میں (آخر) مرنے والا ہوں۔ اور (پھر ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ) علم اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے۔ (اور حالت یہاں تک پہنچے گی) کہ دو آدمی وراثت کے متعلق جھگڑا کریں گے اور انہیں اس میں (صحیح شرعی طریقہ پر) فیصلہ دینے والا نہیں ملے گا۔''

اور بھی اسی طرح کی احادیث ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپؓ اکثر فرمایا کرتے تھے:

اِذَا تَحَدَّثْتُمْ فَتَحَدَّثُوْا فِي الْفَرَائِضِ وَاِذَا لَهَوْتُمْ فَالْهَوْا فِي الرَّمْيِ [۴]

''جب باتیں کرو تو علم میراث کے متعلق کیا کرو اور کھیلنا ہو تو تیر اندازی کی مشق کیا کرو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مندرجہ ذیل بزرگ خاص طور پر اس علم کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے اور مسائل میراث کے متعلق اکثر روایات واحکام کا منبع وماخذ یہی ہیں۔ [۵]

(۱) امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
(۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
(۵) اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اگرچہ عہد صحابہؓ میں بھی متعدد نئے اور مشکل مسائل نمودار ہوئے (مثلاً الجد مع الاخوۃ اور ''عول'' کے مسئلے) لیکن اسلامی سلطنت کی وسعت اور ہر مذہب وملّت سے آنے والے نومسلموں کی کثرت نے بے شمار نئے جزئی اشکالات اور پیچیدہ صورتیں پیدا کر دیں۔ مثلاً ایران کے مجوسی محرّماتِ ابدیہ سے شادی کر لیتے تھے۔ فرض کیجئے' ایک مجوسی فیروز نے اپنی بیٹی زرینہ سے شادی کر لی اور اس سے ایک لڑکی گلنار پیدا ہوئی۔ اب اگر یہ

کُنبہ مسلمان ہو جائے تو یہ لڑکی گلنار زرینہ کے مرنے پر اس کے ترکہ سے بطور دختر حصہ لے یا بطور بہن کے؟ اور اسی طرح زرینہ گلزار کی ماں بھی ہے اور بہن بھی۔ وغیر ذلک۔

چنانچہ زمانے کی ضروریات نے دیگر علوم شرعیہ کی طرح اس علم کی تدوین پر بھی فقہاء کو متوجہ کیا۔ انہوں نے اسے فن کی حیثیت دی۔ اس کے لیے خاص زبان اور اصطلاحات وضع کیں اور اس کے ایک ایک شعبہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں غور و فکر کر کے تفصیلی و جزئی قواعد مستخرج کیے۔ پھر اس علم کے مباحث محض فکری و نظری مباحث نہیں تھے' بلکہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے نافذ العمل قانونِ وراثت کی حیثیت سے قدم قدم پر ان قواعد کے حسن و قبح کو عملاً جانچا جا سکتا تھا۔

اس طرح یہ فن اپنے زمانے کے بہترین قانون دان دماغوں نے پروان چڑھایا اور یہ انہی بزرگوں کی دیانت دارانہ مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس اسلامی قانونِ وراثت کی پوری تفصیلات اور اس کے عہد بعہد پیدا ہونے والے اختلافات اور متنازعہ فیہ قانونی تشریحات و تعبیرات کا پورا ریکارڈ موجود ہے۔ نیز قانونِ وراثت کی تمام جزئیات تک کو اس تفصیل کے ساتھ منضبط کیا ہے کہ مسائل کے کسی گوشہ کو تشنہ تکمیل نہیں رہنے دیا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان سے اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئی ہوں' لیکن ان کی فنی خدمات کا بدترین دشمنوں تک کو اعتراف ہے۔ چنانچہ ''سراجیہ'' کا مشہور مترجم Sir William Jones لکھتا ہے:

"I am strongly disposed to believe that no possible question could occur on the Mohammaden Law of Succession which might not be rapidly and correctly answered" (6)

اور علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبات میں Von Kremer کا یہ قول نقل کیا ہے:

"Next to the Romans, there is no other nation, besides the Arabs, which could call its own a system of law so carefully worked out ...... and law of inheritance being a supermely original branch of it." (7)

اسلامی احکام و قوانین کی تشریح و تعبیر کے سلسلے میں جو مختلف مذاہب فکر پیدا ہوئے' انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) اہل السُّنۃ والجماعۃ (حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی' ظاہری وغیرہ)

(۲) شیعہ (اثنا عشریہ' اسماعیلیہ' زیدیہ وغیرہ)۔

ان میں سے جزوی اختلاف کے باوجود احناف کو اہلِ سُنّت کا اور اثنا عشریہ کو شیعہ کا نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر جہاں جہاں ہم مسئلہ زیر بحث کے متعلق مختلف اسلامی فرقوں کا نقطہ نظر پیش کریں گے تو وہاں انہی دو گروہوں کو لیں گے۔

اب ہم اس مسئلہ پر اپنی بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے حصے میں اس کا قدیم پہلو بلا تنقید یعنی

اس بارے میں فقہاء کا مسلک و موقف پیش کریں گے' اور اس مقصد کے لیے' نیز مسئلہ کی حقیقت ذہن نشین کرنے کے لیے قرآن وحدیث اور فقہ کے ضروری احکامِ وراثت کو ذرا بالتفصیل بیان کریں گے —— اور دوسرے حصے میں مسئلہ کا جدید پہلو یعنی قدیم مسلک پر اعتراضات' ان پر تنقید اور مسئلہ کا حل ازروئے قرآن وسنت پیش کریں گے۔ واللّٰہ ولی التوفیق والھدایۃ فی کل حال و عمل

حواشی اور حوالہ جات

(۱) اس موضوع پر اضافہ معلومات کے لیے Encyclopedia of Religion and Ethics کی جلد ہفتم میں مضمون بعنوان ''Inheritance'' کا مطالعہ بے حد مفید اور دلچسپ بھی ہوگا۔

(۲'۳) المواریث الاسلامیہ' ص ۸ پر یہ احادیث احمد' ترمذی' حاکم اور ابن ماجہ کے حوالے سے درج ہیں اور بعینہٖ اسی حوالے سے مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندی نے اپنے ''رسالہ وراثت'' کے شروع میں درج کی ہیں۔ مجھے ترمذی دیکھنے کا اتفاق ہوا اس میں الفاظ کا تفاوت ہے۔ البتہ الجامع الصغیر سیوطی ۲۵۴/۳ اور تفسیر ابن کثیر' ۴۵۷/۱ پر بھی یہ احادیث اسی طرح موجود ہیں۔ (۲۔ کنزالعمال' ج۵' ح۴۲۲۶) (۳۔ کنزالعمال' ج۱' ح۲۳۷۰)۔

(۴) المواریث الاسلامیہ' ص۹۔ (کنزالعمال' ج۶' ح۱۰۷)۔

(۵) المواریث الاسلامیہ' ص۹۔ نیز سیرتِ عائشہؓ (سید سلیمان ندوی)' ص۱۹۹۔

(6) Mohammaden Law by F.B.Tyabji, p. 825.

(7) Reconstruction of Religion Thought in Islam, p. 168&170.

پہلا حصہ

مسئلہ کا قدیم پہلو

باب اول

قرآن کے احکامِ وراثت

قرآن حکیم کے دوسرے بہت سے احکام کی طرح احکامِ میراث بھی ایک مناسب تدریج اور آہستگی کے ساتھ نازل کیے گئے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی تمام قوانین وراثت کو سورۃ النساء کی چار پانچ آیات میں اس خوبی' اختصار و ایجاز اور جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ عقل انسانی اس اعجاز پر محوِ حیرت ہو جاتی ہے۔ ذیل میں ان آیات کو آسانی فہم اور تسہیل حوالہ کے لیے ایک خاص تقسیم اور عنوان بندی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

(ا) اصولِ وراثت

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝﴾ (النساء)

''ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں، تھوڑا ہو یا بہت، مردوں کا حصہ ہے اور (ایسا ہی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں عورتوں کا بھی حصہ ہے (اور یہ) حصہ (ہمارا اپنا) ٹھہرایا ہوا (ہے)۔''

(ب) اولاد کے متعلق احکام

﴿يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ ۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ۚ فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ ؕ﴾ (النساء: ۱۱)

''(مسلمانو!) تمہاری اولاد (کے حصوں) کے بارے میں اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ (دیا کرو)، پھر اگر لڑکیاں (ہی ہوں اور وہ دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ترکے میں ان کا حصہ دو تہائی اور اگر (صرف) ایک لڑکی ہی ہو تو اسے (ترکہ کا) آدھا (حصہ ملے گا)۔''

(ج) والدین کے متعلق

﴿وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ﴾ (النساء: ۱۱)

''اور میت کے ماں باپ کو (یعنی) دونوں میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ (ملے گا) اس صورت میں کہ میت کی اولاد ہو، اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث (صرف) ماں باپ ہی (بن رہے) ہوں تو اس کی ماں کا حصہ ایک تہائی ہوگا (اور باقی باپ کا)، پھر اگر (اس صورت میں ماں باپ کے ساتھ) میت کے کچھ بھائی بہن بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہوگا (اور باقی باپ کا)، لیکن یہ (وراثتیں) وصیت اور قرض کے پورا کرنے کے بعد (تقسیم کرنے کا حکم ہوگا)۔''

(د) زن وشوہر کے متعلق

﴿وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ﴾ (آیت ۱۲)

''اور جو ترکہ تمہاری بیویاں چھوڑ مریں، اگر ان کے اولاد نہیں ہے تو اس میں تمہارا آدھا حصہ ہے، اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں تمہارا چوتھائی حصہ (ہوگا) اور یہ (تقسیم بھی) وصیت وقرض کے پورا

کرنے کے بعد (ہوگی)۔اور جو کچھ (ترکہ) تم چھوڑ مرو اور تمہاری کوئی اولاد نہ ہو تو تمہاری بیویوں کا حصہ ایک چوتھائی' اور اگر تمہارے اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے تمہاری بیویوں کو آٹھواں حصہ (ملے گا) اور یہ (تقسیم بھی) وصیت اور قرض کے پورا کرنے کے بعد (ہوگی)۔''

(۶) حقیقی یا علاتی بہن بھائیوں کے متعلق

﴿اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ﴾ (النساء:۱۷۶)

''اگر کوئی ایسا آدمی مرجائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ ہی باپ دادا ہو' اور ایسے آدمی کو کلالہ کہتے ہیں) اور اس کی صرف ایک ہی بہن ہو تو اس (بہن) کو ترکے کا نصف (دیا جائے گا)' اور بہن مرجائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو اس کے مال کا وارث یہ بھائی ہوگا۔ پھر اگر بہنیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو اس کے ترکہ میں سے دو تہائی (ملے گا)' اور اگر بھائی بہن ملے جلے ہوں تو مرد کو عورت سے دوگنا (کے اصول پر تقسیم ہوگی)۔''

(و) اخیافی بہن بھائیوں کے متعلق

﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ﴾ (النساء:۱۲)

''اور اگر وہ مرد کہ جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا (کوئی) عورت ہو ایسی ہی اور اس میت کے ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ پھر اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو سب حصہ دار ہوں گے ایک تہائی میں' بعد اس وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے' جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو۔''

مختلف وارثوں کے حصوں کے تعین کے علاوہ ان آیات سے بالاجمال وراثت کے حسبِ ذیل اصول اور قواعد حاصل ہوتے ہیں۔[1]

(۱) وراثت کے حق دار صرف مرد ہی نہیں' عورتیں بھی ہوں گی۔

(۲) سبب میراث دو ہوں گے:

(ا) اولاد ہونا یعنی میت اپنے وارث کا باپ یا ماں ہو (الوالدان)

(ب) اقرب ہونا یعنی میت اپنے وارث کا زیادہ قریبی رشتہ دار ہو (الاقربون)

(۳) وراثت کا قانون ہر قسم کے املاکِ متروکہ پر جاری ہوگا۔(مِمَّا تَرَكَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ)

(۴) جب قرابت مساوی درجے کی ہوگی تو مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہوگا۔ مثلاً بیٹا' بیٹی' خاوند' بیوی' بھائی

بہن۔ دیکھئے آیات مندرجہ تحت جزء (ب) و (د) و (ھ)۔

(۵) بعض وارثوں کو ہر حالت میں ترکہ کا صرف ایک ''متعین حصہ'' ملتا ہے۔ مثلاً ماں' خاوند یا بیوی —— اور بعض وارثوں کو کبھی تو ترکہ کا ایک مقررہ حصہ دیا جاتا ہے اور کبھی وہ ''بقایا'' کے مالک بن جاتے ہیں یا ''بقایا'' میں دوسروں کے ساتھ شریک ہو کر (مرد کو عورت سے دوگنا کے اصول پر) حصہ پاتے ہیں' مثلاً باپ بیٹی بیٹا' دیکھئے آیات مندرجہ تحت جزء (ب) و (ج) و (د) و (ھ) (پہلی قسم یعنی متعین حصہ پانے والوں کو فقہ فرائض کی اصطلاح میں ''ذوی الفروض'' کہتے ہیں اور دوسری قسم ''بقایا'' ۔یا بقایا میں دوسروں کے ساتھ شامل ہو کر حصہ پانے والوں کو اصطلاح میں ''عصبات'' کہتے ہیں۔)

(۶) بعض دفعہ ایک وارث کی موجودگی کا دوسرے وارث کے حصہ پر اثر پڑتا ہے' دیکھئے آیات مندرجہ جزء (ج) و (د) —— اسے اصطلاح میں ''حجاب'' کہتے ہیں اور ہمارے زیر بحث مسئلہ کا محور یہی اصول ہے۔

(۷) باپ کی موجودگی میں اس کی اولاد کو کوئی حصہ نہیں ملے گا' دیکھئے جزء (ج)[۲]

(۸) ماں باپ' خاوند اور بیوی کو ہر حال میں جائیداد سے حصہ ملے گا' چاہے میت کی اولاد ہو یا نہ ہو: ﴿وَلِاَبَوَیۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ...... وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ...... وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ﴾

(۹) ہر قسم کی وراثتیں وصیت اور قرض کے پورا کرنے کے بعد تقسیم کرنے کا حکم جاری ہوگا۔

(۱۰) کُل متعین حصے چھ طرح کے ہو سکتے ہیں: $\frac{1}{8}$، $\frac{1}{4}$، $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{6}$، $\frac{1}{3}$، $\frac{2}{3}$ [۳]

بالاتفاق یہی وہ اصول ہیں (اور یہ بالکل ظاہر آیات سے سمجھے جا سکتے ہیں) جن پر ہر مذہب فکر نے فقہ فرائض کی عمارت کھڑی کی ہے۔ اگرچہ ان قواعد کو بنیادی طور پر مان لینے کے باوجود ان کے اطلاق اور تعبیر و توضیح میں اختلاف کی بنا پر مسائل میں بھی اختلاف ضرور پیدا ہو گیا ہے۔

ان میں سے خصوصاً نمبر۲ یعنی ''سبب وراثت'' اور نمبر۶ یعنی ''قاعدہ حجاب'' مسئلہ زیر بحث سے خاص طور پر متعلق ہیں' اس لیے سب سے پہلے ان کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہے۔

حواشی اور حوالہ جات

(۱) مبنی بر مطالعہ مختلف تفاسیر قرآن خصوصًا احکام القرآن ابن العربیؒ ۱/۱۳۶ببعد' و فتح القدیر للشوکانیؒ ۱/۳۹۳ ببعد واحکام القرآن للجصاص ۲/۷۰ وتفسیر بیان القرآن مولانا تھانویؒ ۲/۹۴ ببعد و تفسیر المراغی ۴/۱۹۹۱۔

(۲) بلکہ شیعہ کے نزدیک صرف ماں بھی اپنی اولاد کے لیے حاجب ہو جاتی ہے۔ دیکھئے تفسیر ابوالفتوح رازی ۳/۱۲۴ تحت تفسیر ﴿فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ﴾

(۳) ان حصص کی حکمت وفلسفہ پر بحث کے لیے دیکھئے: حجة اللّٰہ البالغہ' اردو ترجمہ' ج ۲' ص ۵۱۶ تا ۵۱۹۔

اسبابِ میراث

﴿مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ﴾ کہہ کر قرآن حکیم نے وراثت کے سب سے بڑے فطری سبب کو بیان کر دیا ہے۔ یعنی مال چھوڑ کر مرنے والا جس کا باپ یا ماں ہے وہ سب سے پہلے وراثت کا حقدار ہے[1] چاہے وہ مرد (بیٹا) ہو یا عورت (بیٹی)۔ اس کے بعد ﴿وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ کہہ کر یہ بھی بتا دیا کہ اگر مرنے والا بے اولاد ہو تو آخر کسی کا قریبی تو ہوگا' پس اس کے پسماندگان میں سے جس کے ساتھ اس (میت) کا زیادہ قریبی رشتہ ہو وہی وارث ہوگا۔ گویا قرابت کے متعدد دعویداروں میں سے ترجیح کسے دی جائے؟ اس کی بھی نشان دہی فرما دی ہے' اور اس اَلْاَقْرَبُوْنَ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وراثت صرف ''والدین'' کی طرف سے ہی نہیں ملے گی' بلکہ بعض دوسرے قریب ترین رشتہ داروں سے بھی ملے گی۔ مثلاً اولاد اور زوجین سے بھی' جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

- اولاد کا حق مقدم تھا اور بظاہر ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کو وراثت میں سے حصہ نہیں ملنا چاہیے —— لیکن قرآن حکیم نے حکم دیا کہ ماں' باپ' خاوند اور بیوی کو بہرحال اولاد کے ساتھ بھی حصہ دیا جائے گا اور اسی لیے یہ چھ یعنی ماں باپ' بیٹا' بیٹی' خاوند اور بیوی ''اصلی وارث'' کہلاتے ہیں۔ یہ سب وراثت لیتے ہیں اور ان سب کی طرف سے وراثت ملتی بھی ہے۔
- اب مزید غور کیجیے۔ اولاد کی موجودگی میں ماں باپ' خاوند اور بیوی سب کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بنوۃ (اولاد ہونا) سببِ میراث کی سب سے قوی جہت ہے۔
- پھر دیکھیے۔ اولاد کے بالکل ہی نہ ہونے کی صورت میں ''بقایا'' تمام حصے کا مالک باپ کو ٹھہرایا گیا ہے۔ دیکھیے آیت مندرجہ جزء (ج)[2] —— ماں' خاوند یا بیوی کو نہیں' بلکہ انہیں ایک مقررہ حصہ ہی ملتا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ پہلی جہت (فرع یا اولاد) نہ ہونے کی صورت میں قابلِ ترجیح جہت ابوۃ (باپ ہونا) ہے۔
- اب پھر غور کیجیے جب نہ اصل موجود ہو' نہ فرع (یعنی نہ اولاد' نہ باپ جسے کلالہ کہتے ہیں) تو بھائی بہن (اطراف) کو وراثت کا حق دار ٹھہرایا گیا[3]۔ بیوی اور خاوند کو ان کے مقررہ حصوں سے زیادہ پھر بھی نہیں دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اسبابِ وراثت میں ''اطراف'' تیسری جہت ہیں جو پہلی دونوں جہات کی عدم موجودگی میں قابل ترجیح ہوں گے۔

پس اسباب میراث دو ہوئے: نکاح اور نسب —— پہلی قسم کے وارث (یعنی زوجین) تو ہر حالت میں حصہ پاتے ہیں —— اور نسبی ورثاء کی پھر تین قسمیں ہیں: فرع' اصل اور اطراف۔ فرع اور اصل تو بیک وقت وارث ہوں گے اور ایک قسم کے نہ ہونے کی صورت میں دوسری قسم وارث بنے گی اور ان دونوں کی عدم موجودگی میں تیسری قسم (اطراف) وارث ہوگی۔

قرآن سے تو اسبابِ میراث یہی معلوم ہوتے ہیں۔ احادیث نبوی ﷺ سے (ان تمام اقسام کی عدم موجودگی میں) ایک اور سبب میراث کا بھی پتہ چلتا ہے یعنی ''ولایۃ العتاقۃ''[۴] (آقا کا اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث بننا جبکہ اس آزاد شدہ غلام کا اپنا کوئی قریبی رشتہ دار موجود نہ ہو) اور یہی تین اسبابِ میراث بالاتفاق تمام مسلمانوں میں[۵] مسلّم ہیں یعنی نکاح، ولاء اور نسب —— اور غور کیجئے تو دراصل سبب میراث دو ہی بنتے ہیں یعنی نسب اور سبب' کیونکہ نکاح و ولاء ہر دو مؤخر الذکر میں آجاتے ہیں۔

اسبابِ وراثت کے بیان کے بعد اب ان اسباب کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے اسلام میں کوئی شخص وراثت پانے سے محروم کر دیا جاتا ہے' لہٰذا اگلے باب میں اس سے بحث ہوگی۔

حواشی اور حوالہ جات

(۱) تفسیر احمدی از مُلّا جیون' صفحہ ۱۶۵ (یہ ملا جیون اورنگ زیب عالمگیر کے استاد تھے)۔

(۲) مقالہ ہذا' صفحہ ۴۴۔

(۳) ایضاً' صفحہ ۴۵ جزء (ھ)۔

(۴) مطابق حدیث ((الولاء لحمة كلحمة النسب))۔ بلوغ المرام' صفحہ ۱۹۷ بحوالہ ابن حبان وحاکم۔

(۵) خوارج کی فقہ بھی قریباً اہل السنّت کے مطابق ہے۔ اسی لیے بعض دفعہ انہیں اہل السنّت کا پانچواں مذہب بھی کہتے ہیں۔ (چار مشہور مذہب احناف' شوافع' موالک اور حنابلہ کے ہیں)۔ البتہ وہ ولایۃ العتاقہ کے قائل نہیں ہیں اور ایسی جائیداد کو خیرات کر دینے کا حکم دیتے ہیں (Muslim Institutions, p. 141) اسی طرح شیعہ سنی میں ولایۃ العتاقہ کی شرائط میں بھی باہم قدرے اختلاف ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے جامع الاحکام ۱/۵۲) یہ سید امیر علی صاحب کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اصل مولف مرحوم معتزلی تھے (اور دیباچہ میں اس بات کا خود انہوں نے اعلان کیا ہے) اس لیے بعض مسائل میں ان کی آراء قابل مطالعہ ہیں۔

باب سوم

حجاب اور منع کے قواعد اور ان میں فرق

کسی شخص کے وراثت سے بالکل ہی محروم رہنے یا اس کے حصے میں کمی آجانے کے دو باعث ہو سکتے ہیں: منع یا حجاب۔ یہ دونوں لفظ لغۃً متحد المعنی ہیں یعنی دونوں کے معنی روک دینے کے ہیں' لیکن اصطلاحاً ان میں بڑا فرق ہے اور اس فرق کو ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے۔[۱]

اصطلاح میں ''منع'' اسے کہتے ہیں کہ کسی شخص میں ''اسبابِ منع ارث'' میں سے کوئی سبب پایا جائے۔ ایسے شخص کو وراثت سے مطلقاً کچھ نہیں ملتا اور اسے ''ممنوع الارث'' کہتے ہیں —— اسبابِ منع ارث حسبِ ذیل ہیں۔[۲]

○ اختلافِ دینین: یعنی مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔ بوجہ حدیث ((لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ))[۳]۔ ایک مذہب کا غیر مسلم دوسرے مذہب کے غیر مسلم کا وارث ہوسکتا ہے اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں‘ گو مختلف فرقوں سے ہوں‘ لیکن تقسیم وراثت میں شخص متوفی کے مسلک کی رعایت کی جائے گی۔[۴]

○ قتل: یعنی قاتل اپنے مقتول کا وارث نہیں بن سکتا‘ اس کی بنیاد بھی حدیث ہے: ((لَیْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمِیْرَاثِ شَیْئٌ))[۵] اس میں قتل کی نوعیت وغیرہ کے متعلق جزئی اختلاف موجود ہے۔[۶]

○ الرق: یعنی غلام ہونا بموجب حدیث ((مَنْ بَاعَ عَبْدًا لَہٗ مَالٌ فَمَالُہٗ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ یَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ))[۷] کیونکہ غلام کو وارث بنانا دراصل اس کے مالک کو وارث بنانا ہے۔

○ اختلافِ دارین یا حرابہ: یعنی دارالاسلام کا رہنے والا دارالحرب کے رہنے والے مسلمان کا نہ مورث بن سکتا ہے‘ نہ وارث۔

پہلے تین اسباب مسلمانوں کے تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ صرف چوتھی وجہ میں اختلاف ہے۔[۸]

خیال رہے کہ ممنوع الارث کا وجود بھی قوانین وراثت کے لحاظ سے کالمعدوم سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے کسی دوسرے کے حصے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مثلاً اگر کسی آدمی کا ایک ہی بیٹا ہو اور وہ کافر ہو (ماں باپ کے نومسلم ہونے کی صورت میں‘ مثلاً) یا اپنے باپ کو قتل کر دے تو اس آدمی کی بیوی (اس کافر یا قاتل کی ماں) کو اپنے خاوند کی جائیداد سے $\frac{1}{4}$ ہی ملے گا اور اس بیٹے کی وجہ سے $\frac{1}{8}$ نہیں ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مرنے کے بعد ایک غیر مسلم بیٹا اور ایک مسلم پوتا چھوڑ جائے تو بیٹا ممنوع الارث ہوگا اور اپنے باپ کے ہوتے ہوئے بھی پوتا کل جائیداد کا مالک ہوگا[۹]۔

حجاب

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لغت میں حجاب اور حجب کے معنی بھی روکنے یا ڈھانپ لینے کے ہیں۔ اسی لیے پردہ کو بھی حجاب کہتے ہیں اور چوکی دار (گیٹ کیپر) کو بھی حاجب کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ کی سدانت (متولّی یا پروہت ہونا) کو —— جو بنی قصی کے ہاتھ میں تھی‘ بھی اسی لیے حجابہ کہتے تھے‘ کیونکہ اس کی حفاظت اور کنجیاں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ لیکن اصطلاح شرعی میں ایک وارث کے دوسرے وارث کی موجودگی کی وجہ سے اپنے حصے سے بالکل محروم ہو جانے یا اس کے حصہ میں کمی واقع ہونے کو حجاب یا حجاب بالشخص کہتے ہیں[۱۰] اور جس شخص کے حصے پر اثر پڑ رہا ہو اسے ''محجوب الارث'' کہتے ہیں۔

آیات واحادیث میں غور و فکر اور قرآن کے احکام وراثت کے تتبع واستقراء سے فقہاء نے حجاب بالشخص کو دو قاعدوں پر مبنی قرار دیا ہے۔[۱۱]

(۱) تقدیم یا ''اولویت'': —— یعنی بعض وارثوں کو دوسروں پر مقدم سمجھنا۔ یہ قاعدہ قرآن حکیم کی آیت

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ﴾ (۱۲) سے اور آیات میراث کے مختلف احکام سے مستنبط ہوتا ہے (۱۳)۔ اور ویسے عقلاً بھی یہ بات بدیہی سی ہے کہ آخر سب وارث یکساں نہیں قرار دیے جاسکتے۔ پھر یہ تقدیم علی الترتیب تین لحاظ سے کی جاتی ہے:

(الف) **تقدیم بالجھة**: یعنی فرع (اولاد) کو اصل (باپ دادا) پر اور اصل کو اطراف (بھائی بہن) پر مقدم کیا جائے گا۔ (۱۴)

(ب) **تقدیم بالقرب**: یعنی جب وارث جہت کے لحاظ سے برابر ہوں تو پھر ان میں سے جس شخص اور میت کے درمیان کم واسطے ہوں گے اسے ان اشخاص پر مقدم کیا جائے گا جن کے اور میت کے درمیان مقابلتاً زیادہ واسطے ہوں گے (۱۵)۔ اسی قاعدے کو مختصراً ''**الاقرب فالاقرب**'' کے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اسی قاعدے کی رو سے بھائی کو بھتیجے پر اور بیٹے کو پوتے پر مقدم کیا جاتا ہے اور یہی قاعدہ ہماری ساری بحث کا مرکز ہے۔

(ج) **تقدیم بالقوۃ**: جب وارث جہت میں بھی برابر ہوں اور قرابت میں بھی یکساں تو قوی قرابت والے کو مقابلتاً کمزور قرابت والے پر ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً اخ شقیق (حقیقی بھائی) کو اخ علاتی (صرف باپ کی طرف سے بھائی) پر مقدم کیا جائے گا۔

(۲) حجاب بالشخص کا دوسرا قاعدہ ''ادلاء'' ہے اور وہ یہ ہے کہ جن دو آدمیوں کا باہمی رشتہ براہ راست نہیں بلکہ کسی اور درمیانی واسطے کے ذریعے سے ہے تو یہ دونوں شخص اس درمیانی واسطے کی موجودگی (زندگی) میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ اس قاعدہ کی اصل تو سورۃ النساء کی آیت ۱۱ ہے۔ یعنی باپ کی موجودگی میں اس کی اولاد محجوب ہو جاتی ہے (۱۶)۔ البتہ فقہ فرائض کی تمام کتابوں میں اس قاعدے کا ایک استثناء تسلیم کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اخیافی بھائی یا بہن (صرف ماں کی طرف سے بھائی بہن) اپنی ماں کی موجودگی میں بھی حصہ پائیں گے (جس صورت میں وہ وارث بن سکتے ہوں تو) حالانکہ ان کا تعلق میت سے اسی ماں کے واسطہ سے ہے۔ اور وجہ اس استثناء کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ باپ تو اپنی اولاد کو محجوب کر کے تمام حصہ خود پاتا ہے اور اس سے اس کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا' کیونکہ اس کے مرنے پر یہ سب جائیداد انہی کو ملے گی' لیکن ماں چونکہ کسی صورت میں بھی بقایا تمام جائیداد کی مالک نہیں بنتی بلکہ اس کا حصہ $\frac{1}{6}$ یا $\frac{1}{3}$ ہی رہتا ہے' لہٰذا اخیافی بھائیوں کا حصہ بھی نکالا جائے گا (۱۷)۔ اس استدلال کی قوت و ضعف سے قطع نظر (کیونکہ یہ موضوع بحث سے خارج ہے) صرف یہ استثناء یاد رکھنا چاہیے' کیونکہ آگے چل کر اس کا ذکر آئے گا۔

حجاب کی اقسام

جیسا کہ اصطلاحی تعریف سے بھی ظاہر ہے حجاب بالشخص دو طرح کا ہوتا ہے (۱۸)۔

(۱) حجاب نقصان: جبکہ حصہ میں صرف کمی واقع ہو رہی ہو۔ اس قسم کا حجاب ہر قسم کے وارثوں پر اثر انداز ہوسکتا ہے اور اس کی چھ مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) کبھی ایک مقررہ حصے کے بجائے دوسرا مقررہ حصہ ملتا ہے' مثلاً اولاد کی موجودگی میں خاوند کا $\frac{1}{2}$ سے $\frac{1}{4}$' بیوی کا $\frac{1}{4}$ سے $\frac{1}{8}$ اور ماں کا $\frac{1}{3}$ سے $\frac{1}{6}$ ہو جاتا ہے۔

(۲) کبھی بطور ذی فرض (مقررہ) حصہ پانے کی بجائے دوسروں کے ساتھ عصبہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً بیٹی بیٹوں کے ساتھ۔

(۳) کبھی عصبہ (بقایا کا مالک یا بقایا میں شریک ہونے) کی بجائے بطور ذی فرض کے حصہ ملتا ہے۔ حالانکہ حصہ اس طرح پہلے کی نسبت کم ہو جاتا ہے' مثلاً اولادِ نرینہ کی موجودگی میں میت کا باپ۔

(۴) کبھی حصہ منفرد ہونے کی بجائے دوسروں کے ساتھ مشترک ہونے کے باعث کمی ہو جاتی ہے' مثلاً دو سے زیادہ بیٹیوں یا ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں۔

(۵) یہی صورت عصبات میں بھی ہوسکتی ہے' مثلاً متعدد بیٹے ہوں تو۔

(۶) کبھی ذوی الفروض کے حصص کا مجموعہ اکائی سے بڑھ جاتا ہے جسے اصطلاح میں ''عول'' کہتے ہیں اور پھر ایک تناسب سے سب کا حصہ گھٹایا جاتا ہے یا کسی خاص وارث کا' مثلاً مسئلہ منبریہ میں۔[۱۹]

کتب فقہ فرائض میں حجاب نقصان کی پوری تفصیلات دی ہوئی ہوتی ہیں[۲۰] جن میں اس طرح کے حجاب کی تمام ممکن صورتوں کا استقصاء کیا گیا ہے' لیکن یہ بھی ہمارے مسئلے سے زیادہ متعلق نہیں ہے' لہٰذا ان سب کا بیان غیر ضروری ہے۔

(۲) حجاب حرماں: جس صورت میں ایک وارث اپنے حصے سے بوجہ کسی دوسرے وارث کی موجودگی کے بالکل ہی محروم ہو رہا ہو — اور دراصل صحیح اصطلاح میں ایسے ہی شخص کو ''مجوب الارث'' کہتے ہیں۔ اس قسم کے حجاب کی اصل تو وہی دو قاعدے ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں[۲۱]۔ یعنی قاعدہ ''ادلاء'' اور تقدیم بالقرب — لیکن فقہاء کے نقطہ نظر کو واضح کرنے کے لیے اس کی مزید توضیح بھی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ ہمارا موضوع بحث بھی یہی ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ چھ وارث ایسے ہیں جو شیعہ سنی کسی کے نزدیک بھی کسی صورت میں بھی ''مجوب الارث'' یعنی بالکل محروم نہیں ہوسکتے[۲۲]۔ ماں' باپ' بیٹا' بیٹی' خاوند اور زوجہ — کیونکہ ان کا تعلق میت سے براہِ راست ہوتا ہے اور باقی تمام قسم کے وارث انہی اصلی وارثوں میں سے کسی نہ کسی کے ذریعے اور واسطے سے رشتہ رکھتے ہیں۔ اس واسطہ کی موجودگی (زندگی) میں تو وہ ویسے وارث نہیں بن سکتے' مثلاً باپ کی موجودگی میں باپ کا باپ (دادا) اور بیٹے کی موجودگی میں اس بیٹے کا بیٹا (پوتا) حصہ نہیں پا سکتے[۲۳]۔ اور اگر وہ درمیانی واسطہ زندہ موجود نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) یا تو بالواسطہ رشتے رکھنے والے تمام وارث برابر کے درجے کے ہوں گے یعنی میت اور ان تمام وارثوں کے درمیان یکساں واسطے ہوں گے (اور اسے اصطلاح میں ''استواءِ قرابات'' کہتے ہیں) تو اس صورت میں سب وارث جائیداد میں حسبِ قواعد شرعی حصہ دار ہوں گے' مثلاً صلبی اولاد کی عدم موجودگی میں اولاد کی اولاد کو اولاد کی طرح ورثہ ملے گا[۲۴]۔ یعنی وہ اولاد کی قائم مقام سمجھی جائے گی۔[۲۵]

(۲) یا بالواسطہ رشتہ رکھنے والوں میں درجوں کا تفاوت ہو گا۔ یعنی بعض کم واسطوں سے میت سے تعلق رکھتے ہوں گے اور بعض زیادہ واسطوں سے۔ اس صورت میں پہلی قسم کو (جسے اصطلاح میں اقرب کہتے ہیں) دوسری قسم (ابعد) پر مقدم کیا جائے گا۔[۲۶]

گزشتہ دو ابواب میں وراثت پانے یا وراثت سے محروم ہونے کے جو اصول بیان ہوئے ہیں' ان کی بنا پر فقہاء وائمہ نے سہولت فہم کی خاطر استحقاقِ وراثت کی ترتیب کے لحاظ سے ورثاء کو مختلف گروہوں' طبقوں یا درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ اگرچہ اس تقسیم طبقات میں باہم کچھ اختلاف ہے' لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' جزوی اختلاف کے باوجود فقہ حنفی اور فقہ جعفری (اثنا عشریہ) کو باقی تمام مکاتب فقہ کا نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگلے باب میں مختصراً ہر دو فریق کی تقسیم طبقات ورثاء بیان کی جاتی ہے تاکہ اصل مسئلہ پر ہر دو فریق کی رائے اور مسلک بآسانی معلوم ہو سکے۔

یہ خیال رہے کہ بالاتفاق سب کے نزدیک پہلے ترکہ میں سے حقوق شرعی مثلاً زکوٰۃ وغیرہ اگر کوئی ہوں' میت کی تجہیز و تکفین کے مصارف' قرضے اور وصیتیں پوری کی جائیں گی۔ اس کے بعد بقیہ جائیداد علی ترتیب استحقاق وارثوں میں تقسیم کی جائے گی۔

حواشی اور حوالہ جات

(۱) احکام المواریث 'ص ۱٤٦ وفتاوی المیراث 'ص ٢٤۔ نیز اس پر بحث کے لیے دیکھئے: حجة اللّٰہ البالغہ اردو ترجمہ' ۵۲۱/۲۔

(۲) کتاب الفرائض من شرائع الاسلام' ص ٤۔ یہ شیعہ فقہ فرائض کی مستند اور مشہور کتاب ہے' نیز دیکھئے سراجی ص٤' والمواریث الاسلامیہ' ص ١٩۔

(۳) بلوغ المرام' ص ١٩٥ (متفق علیہ)

(۴) جامع الاحکام' ج ۱' ص ۷۸ نیز امیر علی کا محمڈن لاء (انگریزی) صفحہ۱۰۔

(۵) بلوغ المرام' ص ١٩٧ بحوالہ نسائی و دارقطنی —— نیز یہ حکم عقلاً جس سیاست پر مبنی ہے وہ مخفی نہیں' یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے کے اکثر قانون بھی قاتل کو ممنوع الارث ٹھہراتے ہیں' مثلاً فرانسیسی قانون (تفصیل کے لیے دیکھئے المقارنات الشریعیة ج ٤' ص ٣١) یہ کتاب فقہ مالکی اور فرانسیسی قانون کے تقابل پر لکھی گئی ہے اور نہایت معلومات افزا کتاب ہے۔

(۶) جامع الاحکام' ج ۱' ص ۷۹۔

(۷) کتاب الام للشافعی، ج ٤، ص ٣۔
(۸) اس کے متعلق سید امیر علی صاحب نے بہت عمدہ اور دلچسپ بحث کی ہے' تفصیل کے لیے دیکھئے جامع الاحکام' ج ١، ص ١٠٢۔
(۹) احکام المواریث' ص ١٥٢ و جامع الاحکام' ج ١' ص ٧٦۔
(۱۰) شریفیه' ص ٤٣' کتاب الفرائض من شرائع الاسلام' ص ٩۔
(۱۱) المواریث الاسلامیه' ص ٣٦۔
(۱۲) الانفال: ٧٥ و الاحزاب:٦۔
(۱۳) دیکھئے مقالہ ہٰذا کا صفحہ ۴۴' ۴۵ آیات مندرجہ تحت جزء (ج) و (د) و (ھ)۔
(۱۴) دیکھئے مقالہ ہٰذا' ص ۴۷۔
(۱۵) احکام القرآن ابن العربی' ج ١' ص ٤٠ و فروع الکافی' ص ٤٣' (یہ کتاب شیعہ کی کُتبِ احادیث میں نہایت معتبر بلکہ ان کی صحاحِ اربعہ میں سے ہے) بلکہ تمام کتب فرائض میں یہ چیز بیان ہوئی ہے۔
(۱۶) مقالہ ہٰذا صفحہ ۴۵' ۴۶' بلکہ شیعہ کے ہاں تو میت کی صرف ماں کی موجودگی میں بھی اس کے بھائی بہن محروم رہیں گے۔ دیکھئے تفسیر ابوالفتوح رازی ج ٣' ص ١٢٤۔ یہ بزرگ چھٹی صدی ہجری کے مشہور شیعہ محدّث اور مفسّر تھے۔ تفسیر فارسی میں ہے اس لیے عنوان اس طرح چھپا ہے جو عربی میں محلِ نظر ہے۔
(۱۷) شریفیه' ص ٤٤ (حاشیه)' المواریث الاسلامیه' ص ٣٦ (حاشیه) نیز جامع الاحکام' ج ١'ص ٨٢۔
(۱۸) کتاب الفرائض من شرائع الاسلام' ص٨۔ ١٠ والمواریث الاسلامیه ص ٣٤۔٣٦۔
(۱۹) یہ مسئلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذہنی و علمی کرامات میں سے ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے المواریث الاسلامیه'ص ٧٨۔
(۲۰) مثال کے طور پر دیکھئے احکام المواریث' ص ١٤٩۔١٥٠۔
(۲۱) فتاویٰ المیراث' ص ٢٣۔٢٤ (جو فارسی زبان میں شیعہ سُنّی ہر دو کی فقہ فرائض میں بہت عمدہ اور قابلِ مطالعہ ہے۔) کتاب الفرائض من شرائع الاسلام' ص ١٠' سراجی' ص١٦۔١٧ (یہ حنفی قانون وراثت کی مشہور بلکہ درسی کتاب ہے)۔ شریفیه' ص ٤٣۔٤٤' والمواریث الاسلامیه' ص ٣٦۔
(۲۲) مقالہ ہٰذا' ص ۴۵' ۴۶' نیز الدر المختار ج ٢'ص ٣٥٨ و سراجی ص ١٧' عالمگیری اردو 'ج ١٠'ص ٤٢٩ امیر علی کا محمڈن لاء (انگریزی) 'ص ۱۰۔
(۲۳) مقالہ ہذا' ص ۴۹۔
(۲۴) شیعہ حضرات اولاد کی اولاد میں بیٹوں اور بیٹیوں سب کی اولاد کو لیتے ہیں' لیکن اہل السنّت صرف بیٹوں کی اولاد کو۔ کیونکہ بیٹیوں کی اولاد حقیقتاً میت کی نہیں بلکہ کسی اور (بیٹی کے خاوند) کی اولاد ہوتی ہے والاصل حقیقة بالنسبة الی المجاز۔
(۲۵) اس کی مفصل بحث تو مقالہ کے آخری حصے میں آئے گی۔ سردست اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ بطور اصول کُلّی کے اصول نیابت یا قائم مقامی کا کوئی مذہب فکر (فقہ) بھی قائل نہیں ہے۔ جب تک ایک درجہ کا کوئی بھی وارث موجود ہے اس اصول کا اطلاق نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک آدمی کے کچھ بیٹے بیٹیاں ہیں اور کچھ ایسے پوتے پوتیاں یا

نواسے نواسیاں ہیں جن کے باپ یا ماں اس (اپنے باپ) کی زندگی میں مر چکے ہیں تو اس صورت میں ان پوتوں یا نواسوں کو کسی کے ہاں بھی اپنے مردہ باپ یا ماں کا قائم مقام تصور نہیں کیا جاتا۔ البتہ جب صلبی اولاد میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہو تو اس صورت میں اہل السنّت کے نزدیک صرف پوتوں اور پوتیوں کو اور امامیہ کے نزدیک نواسوں اور نواسیوں کو بھی قائم مقام اولاد سمجھا جائے گا۔

پھر قائم مقامی کی تعبیر میں بڑا اختلاف ہے۔ اہل السنّت کے نزدیک قائم مقامی کا مطلب یہ ہے کہ قائم مقام کو اصل مورث کی طرح قرار دیا جائے' مثلاً باپ کی عدم موجودگی میں دادا باپ متصور ہوگا' ماں کی عدم موجودگی میں نانی کو ماں سمجھا جائے گا۔ اور اسی طرح اولاد کی عدم موجودگی میں پوتے پوتیوں کو اولاد سمجھ کر جائیداد علی الرؤس (Per Capita) تقسیم ہوگی — لیکن امامیہ کے نزدیک اولاد کی عدم موجودگی میں اولاد کی اولاد اپنے اپنے باپ یا ماں کی نمائندہ سمجھی جائے گی اور جائیداد ان میں علی النسب (Per Stirpes) تقسیم ہوگی۔ اس تمام اختلاف کی تشریح نیز اولادالاولاد کی وراثت پر شیعہ سُنّی موقف کی توضیح حسب ذیل مثال سے ہوگی۔

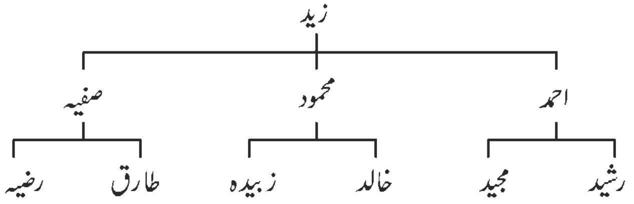

اب فرض کیجیے احمد زید کی زندگی میں مرتا ہے۔ اس صورت میں بالاتفاق سب کے نزدیک جائیداد کے وارث صرف محمود اور صفیہ ہوں گے اور اگر احمد' محمود اور صفیہ تینوں زید کی زندگی میں مر جائیں تو اس صورت میں اہل السنّت کے نزدیک صرف احمد اور محمود کی اولاد کو زید کے بیٹے بیٹیاں سمجھ لیا جائے گا اور اس طرح جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہوگی' ہر لڑکا $\frac{2}{7}$ اور لڑکی زبیدہ $\frac{1}{7}$ لے گی — لیکن اسی دوسری صورت میں فقہ جعفری کی رو سے پہلے احمد' محمود اور صفیہ کے حصے نکالے جائیں گے جو علی الترتیب $\frac{2}{5}$، $\frac{2}{5}$، $\frac{1}{5}$ ہوں گے' پھر ہر ایک کا حصہ اس کی اولاد میں (مرد کو عورت سے دگنا کے اصول پر) تقسیم کیا جائے گا۔ شیعہ نقطہ نظر کے لیے مختار المسائل صفحہ ۱۵۰ تا ۱۷۰ سے مواد لیا گیا ہے۔ یہ ایران کے تین مشہور شیعہ مذہبی پیشواؤں یعنی آیت اللہ کاشانی اور آقائے نجم الملہ اور آقائے ناصر الملہ کے فتاویٰ اور تحریروں کا ترجمہ ہے اور فقہ شیعہ کی مستند کتاب ہے۔

(۲۶) احکام القرآن ابن العربی ج۱' ص ۱۴۰ و فروع الکافی' ص ۴۳ نیز جامع الاحکام ج۱' ص ۴۰ وفتاویٰ عالمگیری (اردو) ج۱۰' ص۴۲۲۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اسلامی ضابطۂ میراث واستحقاقِ میراث (۳)

پروفیسر حافظ قاسم رضوان☆

کَلالَہ

سورۃ النساء کی آیت ۱۲ کے آخر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ﴾

''اور اگر مورث (جس کی میراث حاصل کی جاتی ہے) مرد یا عورت کلالہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے' اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں یہ سب شریک ہیں۔''

کلالہ کی مشہور تعریف یہی ہے کہ جس مرنے والے کے اصول اور فروع نہ ہوں۔ صاحبِ ''روح المعانی'' لکھتے ہیں کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے' اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ باپ بیٹے کی قرابت کے علاوہ دوسری قرابت کو کلالہ کہا گیا ہے' اس لیے کہ وہ قرابت باپ بیٹے کی قرابت کی نسبت سے کمزور ہے۔ پھر کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے پر بھی کیا گیا جس نے نہ اولاد چھوڑی ہے اور نہ والد' اور اس وارث پر بھی اطلاق کیا گیا جو مرنے والے کا ولد اور والد نہ ہو۔ لغت کے اعتبار سے جو اشتقاق بتلایا گیا' اس کا تقاضا ہے کہ لفظ 'ذُو' مقدر ہو اور اس طرح **کلالہ** بمعنی '**ذُو کلالہ**' ہوگا' یعنی ضعیف رشتے والا' جس کا مرنے والے سے رشتہ قوی نہ ہو۔ پھر اس مالِ موروث پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا جو ایسی میت نے چھوڑا ہو جس کا کوئی والی یا والد نہ ہو۔ راجح قول کی بنا پر کلالہ ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ میت کی ماں اس کی وفات کے وقت زندہ نہ ہو۔ اگر ماں زندہ ہو تو بھی میت کلالہ ہی کہلائے گی۔

اب اگر کوئی ایسا مرد یا عورت وفات پا جائے' جس کا نہ باپ ہو نہ دادا' اور نہ ہی اولاد ہو' اور اس نے ایک بھائی یا بہن (ماں شریک) چھوڑے ہوں' تو ان میں سے اگر بھائی ہے تو اسے چھٹا حصہ ملے گا' اور نہیں ہے تو بہن کو چھٹا حصہ ملے گا' اور اگر ایک سے زیادہ مثلاً ایک بھائی ایک بہن ہوں' یا دو بھائی' یا دو بہنیں ہوں' تو یہ سب مرنے والے کے کُل مال کے ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے اور اس میں مذکر کو مؤنث سے دوہرا حصہ نہیں ملے گا۔

واضح رہے کہ اس آیت میں اخیافی (ماں شریک) بہن بھائی کا حصہ بتلایا گیا ہے۔ اگرچہ قرآن پاک کی اس آیت میں یہ قید مذکور نہیں' لیکن یہ قید بالاجماع معتبر ہے۔ علامہ قرطبی' صاحبِ روح المعانی' ابوبکر جصاص

☆ ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات ومطالعہ پاکستان' گورنمنٹ کالج آف کامرس' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

اور دیگر حضرات نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی قراءت اس طرح سے نقل کی ہے: وَلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِّنْ اُمِّهٖ۔ اگرچہ یہ قراءت متواتر نہیں لیکن اس پر اجماعِ امت ہونے کی بنا پر یہ معمول بہا ہے۔ اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کے اختتام پر بھی کلالہ کی میراث کا ذکر کیا ہے' وہاں بتایا ہے کہ اگر ایک بہن ہو تو اس کو آدھا حصہ ملے گا' اگر ایک بھائی ہو تو اپنی بہن کے پورے مال کا وارث بنے گا اور اگر دو بہنیں ہوں تو دو تہائی مال حاصل کریں گے۔ اگر متعدد بہن بھائی بہن ہوں تو مذکر کو مؤنث سے دوہرا حصہ دیا جائے گا۔ سورت کے اختتام پر اس ارشادِ خداوندی میں عینی (حقیقی بہن بھائی) اور علاتی (باپ شریک بہن بھائی) کا ذکر ہے۔ اب اگر یہاں اس آیت میں عینی اور علاتی بہن بھائی کو شامل کر لیا جائے' تو احکامِ الٰہی میں تعارض لازم آئے گا' جو کہ محال ہے۔[1]

کلالہ' اکلیل سے مشتق ہے' اور اکلیل اس تاج وغیرہ کو کہتے ہیں جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے۔ یہاں مراد ہے کہ اس کے وارث اردگرد کے حاشیہ کے لوگ ہیں اور اس کی اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کلالہ کا معنی پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں' اگر ٹھیک ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے' اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بری الذمہ ہیں' کلالہ وہ ہے کہ جس کا نہ لڑکا ہو' نہ باپ ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو آپؓ نے بھی اس تعریف سے موافقت کی اور فرمایا کہ مجھے (حضرت) ابوبکرؓ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضرت علی' ابن عباس' ابن مسعود' زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور امام شعبی' نخعی' حسن' قتادہ' جابر بن زید رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اہلِ مدینہ' اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کا بھی یہی قول ہے' ساتھ ہی فقہاء' چاروں ائمہ اور جمہور سلف و خلف کا یہی فرمان ہے' اسی لیے اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔

اب اگر کلالہ اخیافی بہن بھائی ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے' اگر زیادہ ہوں تو ایک ثُلث (ایک تہائی) میں سب شریک ہیں۔ اخیافی بہن بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے مرد و عورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر کے شریک ہیں' دوسرے یہ کہ یہ (اخیافی بہن بھائی) اسی وقت وارث ہوتے ہیں جبکہ میت کلالہ ہو۔ پس باپ دادا کی' بیٹے کی اور بیٹے کے بیٹے کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے۔ تیسرے یہ کہ انہیں ثُلث سے زیادہ حصہ نہیں ملتا' گو یہ تعداد میں کتنے ہی ہوں' مرد ہوں یا عورت۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہے کہ اخیافی بہن بھائی کا مالِ وراثت آپس میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ مرد کے لیے دو حصے اور عورت کے لیے ایک حصہ۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضور ﷺ سے سنے بغیر ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ آیت میں اتنا تو واضح ہے کہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک ثُلث میں سب شریک ہیں۔ البتہ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر ایسی میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں یا دادی ہو' اور دو اخیافی بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ علاتی بھائی ہو' تو ایسی صورت میں جمہور کا قول ہے کہ خاوند کو آدھا حصہ ملے گا اور

ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا' اور اخیافی بھائی کو تہائی ملے گا' جس میں عینی (سگے) بھائی بھی شامل ہوں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسی ہی ایک صورت پیش آئی' تو آپؓ نے خاوند کو آدھا حصہ دلوایا اور ثلث اخیافی بھائیوں کو دلوایا۔ اس پر عینی (سگے) بھائیوں نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ تم بھی انہی (اخیافی) کے ساتھ شریک ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح سے شریک کیا۔ ایک روایت ایسی ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت سعید بن مسیّب' قاضی شُریح' مسروق' طاؤس' محمد بن سیرین' ابراہیم نخعی' عمر بن عبدالعزیز' ثوری اور شریک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک' شافعی اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں شرکت کے قائل تھے' آپ اولادِ اُم کو اس حالت میں ثُلث دلواتے تھے اور ایک ماں باپ کی اولاد کو کچھ نہیں دلواتے تھے' اس لیے کہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ اس وقت حصہ پاتے ہیں جب ذوی الفروض سے بچ جائے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی کہنا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مشہور قول یہی ہے۔ شعبی' ابن ابی لیلیٰ' امام ابوحنیفہ' ابویوسف' محمد بن حسن' حسن بن زیاد' زفر بن ہذیل' امام احمد' نعیم بن حماد' ابوثور اور داؤد بن علی ظاہری رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔

متفق علیہ روایت کے مطابق حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیماری میں بے ہوش پڑا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپؐ نے وضو کیا اور وہ پانی مجھ پر ڈالا جس سے مجھے افاقہ ہوا۔ میں نے کہا کہ حضور ﷺ وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں' میری میراث کیسے تقسیم ہوگی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرائض (سورۃ النساء کی آخری آیت ۱۷۶) نازل فرمائی: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ﴾ ''آپ ﷺ سے فتویٰ پوچھتے ہیں' آپؐ فرمادیں کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔''

اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے پوتے نہ ہوں اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں' جیسا کہ آیت میں ہے: ﴿اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ ''اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو۔''

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیان نہیں کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں کہ جو آیت سورۃ النساء کے شروع میں فرائض کے بارے میں ہے' وہ ولد اور والد کے لیے ہے اور دوسری آیت بیوی کے لیے اور اخیافی (بھائی) بہنوں کے لیے ہے اور جس آیت سے سورۃ النساء کا خاتمہ ہوا ہے' وہ عینی (اور علاتی) بہن بھائیوں کے لیے ہے۔ سورۃ النساء کی اس آخری آیت میں ﴿هَلَكَ﴾ کے معنی ہیں کہ مرگیا' جیسے کہ فرمانِ خداوندی ہے: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ﴾ (القصص:۸۸) ''ہر چیز فنا اور ختم ہونے والی ہے''۔ پھر فرمایا کہ ﴿لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ اس کے لڑکے نہ ہوں۔ اسی سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ کلالہ کی شرط میں باپ کا نہ ہونا نہیں' بلکہ جس کی اولاد نہ ہو وہ کلالہ ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اور جمہور کا قول یہی ہے کہ

کلالہ وہ ہے کہ جس کا نہ وَلَد (اولاد) ہو اور نہ والد۔ اس کی تائید اس آیت کے بعد کے الفاظ سے ہوتی ہے: ﴿وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ﴾ ''اور اس کی بہن ہو تو اس کے لیے چھوڑے ہوئے مال (ترکہ) کا نصف حصہ ہے''۔ اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اسے وراثت حاصل کرنے سے روک دیتا ہے اور اسے کچھ نہیں ملتا' اس پر اجماع ہے۔ اب ثابت ہوا کہ کلالہ وہ ہے کہ جس کی اولاد نہ ہو' یہ نص سے ثابت ہے' اور باپ کا نہ ہونا بھی نص سے ثابت ہے' لیکن غور کرنے کے بعد' اس لیے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں' بلکہ وہ وراثت سے بالکل محروم ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ ایک عورت مر گئی' اس کا خاوند ہے اور سگی بہن ہے' تو آپؓ نے فرمایا کہ آدھا بہن کو دے دو اور آدھا حصہ خاوند کو۔ اس کی دلیل پوچھنے پر آپؓ نے فرمایا کہ میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے ایسی صورت میں یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا (مسند احمد)۔

حضرات ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ سے ابن جریر میں منقول ہے کہ دونوں کا فتویٰ ایسی میت کے بارے میں جو ایک لڑکی اور ایک بہن چھوڑ جائے' یہ تھا کہ اس صورت میں لڑکی کو ہی تمام مالِ وراثت ملے گا اور بہن محروم رہے گی' اس لیے کہ قرآن کی اس آیت میں بہن کو آدھا ملنے کی صورت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو اور یہاں اولاد ہے۔ لیکن جمہور اصحاب اور ائمہ کا قول اس کے خلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی لڑکی کو آدھا ملے گا' بہ سبب فرض ہونے کے اور نصف حصہ بہن کو ملے گا' بہ سبب عصبہ ہونے کے۔ ابراہیم بن اسود کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فیصلہ کیا کہ آدھا لڑکی کا اور آدھا حصہ بہن کا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ میت کی لڑکی' پوتی اور بہن ہونے کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں وہ فیصلہ کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا کہ آدھا تو بیٹی کو اور چھٹا حصہ پوتی کو' تو دو ثُلث پورے ہو گئے' اور جو باقی بچا وہ بہن کو ملے گا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ﴾ ''اور وہ (بھائی) اس (بہن) کا وارث ہوگا' اگر اس کے اولاد نہ ہو''۔ یعنی بھائی اپنی بہن کے کُل مال کا وارث ہے جبکہ وہ کلالہ مرے' یعنی اس کی اولاد اور باپ نہ ہو۔ اس لیے کہ باپ کی موجودگی میں تو بھائی کو ورثہ میں سے کچھ نہ ملے گا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ اور کوئی مقررہ حصے والا وارث ہو' جیسے خاوند یا اخیافی بھائی' تو اس کو اس کا مقررہ حصہ دیا جائے گا اور باقی کا وارث بھائی ہوگا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ (وراثت میں) فرائض کو ان کے اہل کے ساتھ ملا دو' پھر جو باقی بچے وہ اس مرد کا ہے جو (رشتہ میں میت کے) سب سے زیادہ قریب ہو (صحیح بخاری)۔

آیت کے اگلے حصے میں فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ﴾ ''پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کُل چھوڑی ہوئی مال کا دو تہائی ملے گا''۔ یہی حکم دو سے زیادہ بہنوں کا بھی ہے۔ یہیں سے ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم لیا ہے' جیسے کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حکم' لڑکیوں کے حکم سے لیا ہے: ﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ﴾ (النساء:۱۱) ''پس اگر لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں' تو انہیں مالِ متروکہ کا

دوتہائی ملے گا۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ﴾ ''اور اگر کئی لوگ اس ناطے کے ہیں کہ مرد بھی اور عورتیں بھی، تو مرد کے لیے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے''۔ یعنی اگر بھائی بہن دونوں ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے' یہی حکم عصبات کا ہے' خواہ وہ لڑکے ہوں یا پوتے ہوں یا بھائی ہوں' جبکہ ان میں مرد و عورت دونوں موجود ہوں' تو ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔

آیت کے آخر میں فرمانِ خداوندی ہے: ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾﴾ ''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے یہ بیان فرما رہا ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فرائض واضح فرما رہا ہے' اپنی حدیں مقرر کر رہا ہے' اپنی شریعت واضح کر رہا ہے اور اپنے احکام کھول کھول کر بیان کر رہا ہے' تاکہ تم کہیں بہک نہ جاؤ اور گمراہی میں نہ جا پڑو۔ اللہ ربّ العزت تمام کاموں کے انجام سے واقف' ہر مصلحت سے باخبر' اپنے بندوں کی برائی بھلائی کا جاننے والا اور مستحق کے استحقاق کو پہچاننے والا ہے۔(۲)

سورۃ النساء کی آیت ۱۲ کے متعلقہ حصے میں رجل سے مراد یا تو میت یا وارث ہے' یُوْرَثُ فعل' رجل کی صفت ہے۔ اگر رجل سے مراد میت ہو تو معنی ہو گا کہ جس کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہے' اگر مراد وارث ہو تو معنی ہو گا کہ جو وارث بنے۔ کلالۃ' کان کی خبر ہے یا اس کی خبر یُوْرَثُ ہے' اور کلالۃ' یورث سے موجود ضمیر سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کلالۃ اس کا مفعول لہٗ ہو' یہ اس وقت ہو گا جب کلالۃ سے مراد ایسی رشتہ داری نہ ہو جس میں توالد کا سلسلہ نہ ہو۔ یہ اصل میں مصدر ہے جو کہ کلال کے معنی میں ہے' جس کا مطلب تھکنا اور عاجز آنا ہے۔ عرب کہتے ہیں: كَلَّ الرَّجُلُ فِي مَشْيِهٖ كَلَالًا، یعنی آدمی چلنے سے عاجز آ گیا' كَلَّ السَّيْفُ عَنْ ضَرْبَتِهٖ كُلُوْلًا وَكَلَالَةً یعنی تلوار ضرب لگانے (مارنے) سے عاجز آ گئی (کند ہو گئی) وغیرہ۔ بعد میں یہ لفظ ایسی رشتہ داری کے لیے مجازاً استعمال ہونے لگا جس میں توالد کا سلسلہ نہ ہو' کیونکہ یہ دوسرے کی طرف منسوب ہونے سے عاجز ہوتا ہے۔ پھر ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کا وارث والد یا بچہ نہ ہو' جو کسی ایسے شخص کا وارث بنے جس کا والد اور لڑکا نہ ہو' اسے ذِی کلالۃ کہتے ہیں (امام بیضاوی)۔ بقول امام بغوی کلالہ ایسے مورث کو کہتے ہیں کہ جس کی اولاد اور والد نہ ہو' یہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے' کیونکہ جب وہ فوت ہوا تھا تو اس کی دونوں طرفیں موجود نہ تھیں' گویا اس کے نسب کے ستون کمزور ہو چکے تھے۔ سعید بن جُبیر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ یہ (کلالہ) ایسے وارث کو کہتے ہیں جو کہ میت کا والد اور ولد نہیں ہوتا' کیونکہ یہ میت کو دونوں طرف سے گھیرے ہوتے ہیں' لیکن نسب کے ستون میں کوئی نہیں ہوتا' جس طرح گول پٹی سر کو گھیرے ہوتے ہے جبکہ درمیانی سر خالی ہوتا ہے۔ اس پر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی صحاحِ سِتّہ والی روایت' دلالت کرتی ہے کہ بے شک میرے وارث کلالہ ہوں گے' جو نہ میری اولاد ہوں گے اور نہ ہی والدین۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کلالہ سے متعلق سوال کرنے پر فرمایا کہ میرے خیال میں کلالہ اسے کہتے ہیں' جس کا والد اور ولد نہ ہو۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہوں کہ حضرت ابوبکر کا (کلالہ کے بارے میں) قول رد کر

دوں (امام بیہقی)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلالہ کی تفسیر یوں کی کہ وہ وارث جو والد اور ولد نہ ہو (حاکم)۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جو (میت) والد اور ولد نہ چھوڑے اس کے وارث کلالہ ہوتے ہیں (ابوداوٗد)۔ کلالہ کی تفسیر میں والد اور ولد سے مراد اصول وفروع کے مذکر ہیں‘ یہاں تک کہ اگر میت کی کوئی بیٹی یا ماں ہو تو بھی وہ کلالہ ہوگی‘ جس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی متذکرہ بالا حدیث دلالت کرتی ہے‘ کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت حضرت جابرؓ کی صرف ایک بیٹی تھی‘ ان کے والد حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔ بھائی اور بہنیں ماں کے ساتھ بالا جماع وارث ہوتے ہیں۔ یہاں ولد کا لفظ پوتے کو بھی عام ہے‘ یہاں تک کہ بھائی‘ پوتے کی موجودگی میں بالا جماع وارث نہیں ہوتے۔ اس طرح والد‘ دادا کو بھی عام ہے‘ کیونکہ کلالہ کی تفسیر میں والد اور ولد میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

امرأۃ کا عطف رجل پر ہے‘ گویا نظم آیت یوں ہوا: **وان کان رجل او امراۃ یورث**‘ یعنی ان میں سے ایک کلالہ ہو۔

لہٗ کی ضمیر رجل کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ وہ مذکر ہے‘ اس سے کلام کا آغاز ہے‘ یا رجل وامرأۃ میں سے ایک کی طرف لوٹ رہی ہے‘ ضمیر مذکر ہے‘ جملہ ظرفیہ کان کی خبر پر معطوف ہے‘ بشرطیکہ رجل سے مراد میت ہو‘ اور اگر اس سے مراد وارث ہو تو ضمیر مورث کی طرف لوٹے گی‘ جیسے کہ سیاق کلام سے سمجھا جا رہا ہے‘ جس طرح **لاُمِّہٖ** کی ضمیر میں ہوا‘ اور جملہ ظرفیہ **یُورَث** میں موجود ضمیر سے حال ہوگا۔

ائمہ اور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہاں (اس آیت میں) اخ اور اخت سے مراد اخیافی (ماں شریک) بھائی اور بہن ہیں‘ جس پر حضرت اُبی بن کعب اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت دلالت کرتی ہے۔ امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے کہ بے شک حضرت سعدؓ یوں تلاوت کرتے: **ولہ اخٌ او اختٌ من اُمِّہٖ**۔ ابوبکر بن منذرؒ نے بھی حضرت سعدؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا نقطہ نظر ہے کہ صحابی کی قراءت غیر متواترہ پر عمل کرنا جائز ہے‘ بشرطیکہ اس کی سند صحیح ہو۔

امام بغوی نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ وہ آیت جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کے شروع میں (علم) فرائض کے بیان کے متعلق نازل فرمائی‘ وہ ولد اور والد سے متعلق نازل فرمائی‘ (اس سے متصل) دوسری آیت خاوند‘ بیوی اور ماں کی طرف سے بھائیوں کے متعلق نازل فرمائی‘ وہ آیت جس پر سورۃ (النساء) کا اختتام ہے‘ وہ حقیقی بھائیوں اور حقیقی بہنوں کے بارے میں نازل فرمائی‘ (اور) وہ آیت جس پر سورۃ الانفال کا اختتام ہے‘ وہ اللہ تعالیٰ نے اولی الارحام کے متعلق نازل فرمائی ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ ”اور رشتے ناطے والے‘ ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کے حکم (کتاب) میں“۔ اس بات پر بھی اہلِ علم کا اتفاق اور اجماع ہے کہ ماں کی طرف سے جو اولاد ہوگی وہ صرف تیسرے حصے میں شریک ہوگی‘ جبکہ ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو۔ اس میں مذکر اور مؤنث شامل ہوں‘ تو تقسیم

وراثت میں وہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے‘ مرد اور عورت کا فرق نہیں ہوگا۔

سورۃ النساء کی اختتامی آیت کے حوالے سے امام نسائی نے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ میں بیمار ہوا تو حضور ﷺ تشریف لائے‘ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنی بہنوں کے لیے تیسرے حصے کی وصیت کر دوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ احسان کرو۔ میں نے عرض کی کہ میں نصف (حصے) کی وصیت کر دوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ احسان کرو۔ پھر آپؐ تشریف لے گئے‘ پھر کچھ وقت کے بعد تشریف لائے۔ آپؐ نے فرمایا: ”میرا خیال نہیں کہ تم اس مرض میں فوت ہو جاؤ گے‘ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بہنوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا ہے‘ وہ دو ثلث ہے“۔ حضرت جابرؓ کہا کرتے تھے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کا دوسرا واقعہ (قصہ) ہے‘ جو سورت کے آغاز میں گزرا وہ اور تھا۔ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ یہ آیت عینی (حقیقی) بھائیوں اور بہنوں کے بارے میں ہے‘ حقیقی بہن بھائی نہ ہونے کی صورت میں علاتی (باپ شریک) بہن بھائیوں کو بھی ان پر قیاس کیا جائے گا۔

اِمۡرُؤٌ ، مضمر فعل کی وجہ سے مرفوع ہے‘ جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔ لَيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ، امرء کی صفت ہے یا هَلَكَ میں جو ضمیر ہے‘ اس سے حال ہے۔ وہاں مذکر اور مؤنث دونوں کو عام ہے‘ یعنی اس کا کوئی بچہ یا بچی نہ ہو۔

وَلَهٗۤ اُخۡتٌ ، یعنی ماں باپ کی طرف سے صرف ایک ہی بہن ہو‘ یہ جملہ حال اور عطف دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ وہ بہن اپنے بھائی کے نصف حصے کی وارث ہوگی‘ اور ایسا بھائی اپنی حقیقی بہن کے مرنے پر اس کے تمام مال کا وارث ہوگا‘ بشرطیکہ انتقال کرنے والی کا بچہ یا بچی نہ ہو۔ کلالہ کے مفہوم سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس میت کا باپ اور دادا بھی موجود نہیں۔

﴿فَاِنۡ كَانَتَا اثۡنَتَيۡنِ﴾ یعنی اگر بہنیں دو یا زیادہ ہوں اور ساتھ بھائی نہ ہو‘ تو اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ دو سے یا زیادہ کا حکم بھی وہی ہے جو کہ دو کا ہے۔

﴿فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ﴾ یعنی ان کے بھائی نے جو ترکہ چھوڑا ہے‘ اس میں سے دو تہائی (ثلث) ان کے لیے ہوں گے۔

﴿وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً﴾ یعنی اگر وارث‘ بہن بھائی ہوں‘ وراثت میں دو کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو کہ جمع کا حکم ہوتا ہے۔

﴿رِّجَالًا وَّنِسَآءً﴾ یعنی مرد عورت ملے جلے۔ حق تو یہ تھا کہ کلام یوں ہوتا: وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً وَّاَخَوَاتٍ رِجَالًا وَّنِسَآءً، لیکن مذکر کو غلبہ دیا گیا۔

﴿فَلِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ﴾ یعنی ان میں سے مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ گویا دو عورتوں یا زیادہ کے ساتھ ایک مرد یا زیادہ مرد ہوں‘ تو ان میں سے ہر ایک کو اسی کی مثل دیا جائے گا‘ جتنا دو عورتوں کو دیا جاتا ہے۔ دلالۃ النّص سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مرد ایک ہو یا زیادہ ہوں‘ اگر عورت ایک ہو تو اسے مرد کے مقابلے میں نصف دیا جائے گا‘ یعنی ہر مذکّر کو دو حصے اور ہر مؤنث کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

مشہور محدّث امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلالہ کے بارے میں دو آیتیں نازل کیں‘ ایک تو موسم

سرما میں سورۃ النساء کے شروع کی آیت ۱۲'اس میں اجمال و ابہام ہے اور ظاہری الفاظ سے معنی و مطالب کا واضح ہونا مشکل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسم گرما میں اس سورت کی آخری آیت ۱۷۶ نازل فرمائی' اس میں پہلی آیت کے اجمال کی شرح اور حکم کی وضاحت ہے۔ اس بارے میں سائل نے حضور ﷺ سے مزید تفصیل دریافت کی تھی' پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کھول کر مسئلے کو واضح کر دیا۔

کلالہ سے یہاں مراد وہ شخص ہے جس کے ورثاء میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو۔ جب یہ نہ ہوں تو میت کے حقیقی (سگے) بھائی بہن اس کے بیٹا بیٹی کے حکم میں ہوں گے' اگر حقیقی نہ ہوں تو پھر یہی حکم علاتی (باپ شریک) بھائی بہن کا ہے۔ ایک بہن ہو تو آدھا حصہ اور دو بہن ہوں تو دو تہائی' اور اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا حصہ ملے گا۔ اگر ورثاء میں فقط بھائی ہوں اور بہن کوئی نہ ہو' تو وہ اپنی (فوت ہونے والی) بہن کے کُل مال کے وارث ہوں گے۔ اب رہ گئے اخیافی بہن بھائی (جو صرف ماں شریک ہیں) تو ان کا حکم شروع سورت (آیت ۱۲) میں واضح کر دیا گیا ہے' ان کا حصہ اس طرح سے معین ہے کہ اگر ایک بھائی یا بہن ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے (یہ واضح رہے کہ ایسی صورت میں مذکر اور مؤنث کا حصہ برابر ہوگا)۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تین مسائل کو مزید تشریح طلب سمجھتے تھے: دادا کی میراث' کلالہ کی تعریف اور سود کی بعض صورتیں اور ان کے احکامات۔ آپؓ نے کلالہ کی مختلف صورتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بھی کئی مرتبہ دریافت کیا اور آپ ﷺ نے ان کو اس آیت پر مزید غور و فکر کا حکم دیا۔

علم الفرائض (میراث) میں بنیادی طور پر پہلے حصے میں درج ذیل پانچ رشتے لازمی وارثان کہلاتے ہیں' جن کو ذوی الفروض (شریک میراث) کہا جاتا ہے:

(۱) باپ (۲) ماں (۳) خاوند یا بیوی (۴) بیٹا/بیٹے (۵) بیٹی/بیٹیاں

دوسرے حصے میں لازمی وارثان کے قائم مقام رشتے آتے ہیں' جیسے باپ کا قائم مقام جد صحیح دادا' ماں کی قائم مقام جدہ صحیحہ (دادی+نانی) اور اولاد کی قائم مقام صرف پوتے پوتیاں (نواسے اور نواسیاں ذوی الارحام میں آتے ہیں)۔ یہ سب قائم مقام' اصل کی عدم موجودگی میں حصہ لیتے ہیں۔ زوجہ اور شوہر کا کوئی قائم مقام نہیں ہے۔

تیسرے حصے میں بہن بھائی حقیقی' علاتی (باپ شریک) اور اخیافی (ماں شریک) آجاتے ہیں۔ یہ سب باپ یا اس کے قائم مقام جد صحیح دادا وغیرہ اور بیٹا/بیٹے' پوتا/پوتے وغیرہ کی موجودگی میں محروم ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں بیٹے' پوتے اور بھائی (ماسوائے اخیافی کے) ذوی الفروض نہیں ہیں' ان کا ذکر یہاں اس لیے ہوا ہے کہ کچھ ذوی الفروض ان کی موجودگی میں ان کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بیٹیاں' بیٹوں کے ساتھ' بہنیں بھائیوں کے ساتھ اور پوتیاں' پوتوں کے ساتھ ذوی الفروض نہیں ہوتیں' بلکہ عصبہ بن کر باقی ماندہ ترکہ میں سے حصہ لیتی ہیں۔

ذوی الفروض کے علاوہ کچھ اور وارث بھی ہیں جو کہ عصبہ کہلاتے ہیں۔ ان کا باقاعدہ کوئی حصہ مقرر نہیں'

بلکہ جو ذوالفروض سے بچے گا وہ ان کو ملے گا۔ جب ذوی الفروض بالکل نہ ہوں تو پھر سارا مال عصبہ کا ہے‘ اور عصبہ کو کبھی کچھ ملے گا جبکہ ذوی الفروض سے بچے گا۔ عصبہ اصل میں وہ ہے جو مرد ہو‘ عورت نہ ہو‘ نیز اس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ بھی نہ ہو۔ اب اس کے عموماً چار درجے ہیں:

اوّل درجے میں بیٹا اور پوتا ہے‘ دوسرے درجے میں باپ اور دادا ہے۔ تیسرے درجے میں بھائی اور بھتیجا ہے اور چوتھے درجے میں چچا‘ چچا کا بیٹا یا اس کا پوتا (دادا کی اولا دِ نرینہ) ہے۔

اگر بہت سے لوگ ہوں تو جو میت سے زیادہ قربت رکھتا ہو‘ وہ مقدم ہوگا‘ جیسے پوتے سے بیٹا اور بھتیجے سے بھائی مقدّم ہے‘ اسی طرح سوتیلے سے سگا رشتہ مقدم ہے اور ان چاروں اقسام کے علاوہ اولاد میں اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہوتی ہے‘ یعنی بیٹے کے ساتھ بیٹی اور بھائی کے ساتھ بہن بھی عصبہ ہوگی‘ مگر یہ عورتیں عصبہ اصلی نہیں بلکہ غیر اصلی ہیں۔ اولاد اور بھائیوں کے سوا عورت عصبہ نہ ہوگی‘ جیسے چچا کا بیٹا عصبہ ہے مگر چچازاد بہن اس کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بن سکتی۔

مذکورہ بالا دونوں اقسام (ذوی الفروض اور عصبہ) کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ورثاء کی تیسری قسم ذوی الارحام بھی ہے‘ یعنی ایسے قرابت دار کہ ان میں اور میت میں عورت کے واسطے سے رشتہ ہو اور وہ نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ ہی عصبہ ہوں‘ مثلاً نواسہ‘ نانا‘ بھانجا‘ ماموں‘ خالہ‘ پھوپھی اور ان کی اولاد۔ جب ذوی الفروض اور عصبہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو‘ تو پھر میت کی میراث شرعی قاعدے کے مطابق ذوی الارحام کو ملے گی۔[۳]

یہاں یہ نکتہ بھی مدِّنظر رہے کہ باپ اور بیٹے کی موجودگی میں بہن بھائی کو کچھ حصہ نہیں ملتا۔ اسی طرح اگر میت کی صرف ایک بیٹی ہو اور دوسرا کوئی بھی نزدیکی رشتہ دار بھی نہ ہو‘ تو اس صورت میں پہلا نصف تو بیٹی کا معیّن حصہ ہے اور دوسرا نصف حصہ بھی ردّ کی بنا پر بیٹی کو ہی ملے گا‘ اور اب وہ سارے حصے کی مالک ہوگی۔ گویا یہ صورت حال بھی ایک طرح سے کلالہ کا عکس ہے کہ نزدیکی ورثاء میں سے ایک بیٹی کے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں اور یوں ساری وراثت/ورثہ اسی کی ملکیت ہوگا۔

عام طور پر تین طرح کے وارث پائے جاتے ہیں‘ اور فی زمانہ پاک و ہند میں ان تینوں اقسام کے علاوہ کسی اور کا وجود نہیں ہے:

(ا) **ذوی الفروض:** وہ وارث جن کے حصہ اور میراث کی مقدار شریعت اسلامیہ میں مقرر اور معین فرما دی گئی ہے جیسے والدین‘ اولاد اور میاں بیوی وغیرہ۔

(ب) **عصبات نسبی:** میت سے نسبی تعلق رکھنے والے وہ لوگ جن کے رشتہ میں عورت کا واسطہ اور ذریعہ نہ ہو اور شریعت میں ان کا کچھ معین حصّہ مقرر نہ ہو‘ بلکہ ذوی الفروض کے پورے مقررہ حصے علیحدہ کر لینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے‘ وہ ان کو مل جائے‘ اور اگر باقی نہ رہے تو یہ لوگ اس سے محروم رہ جائیں۔

عصباتِ نسبی وہ ہیں جو نسب میں میت کے شریک ہوں‘ جبکہ شریعت میں نسب کا اعتبار مرد کے حوالے سے

ہے۔ اس لیے عصباتِ نسبی وہی لوگ ہوں گے کہ جن میں اور میت کے درمیان بلا واسطہ عورت تعلق موجود ہو اور وہ خود بھی مرد ہوں۔ اس لحاظ سے چچا کا بیٹا عصبہ ہوگا' کیونکہ یہ میت کے باپ کے بھائی کا بیٹا ہے' درمیان میں عورت کا واسطہ نہیں' نواسہ اور بھانجا عصبہ نہ ہوں گے' کیونکہ نواسہ تو میت کی بیٹی کا بیٹا ہے' عورت کا واسطہ آ گیا' اور بھانجا میت کی بہن کا بیٹا ہے' عورت کا واسطہ موجود ہے۔ چچا کی بیٹی اور پھوپھی بھی عصبہ نہیں' اس لیے کہ اگرچہ درمیان میں عورت کا واسطہ نہیں' لیکن یہ خود مرد نہیں' اور یہاں عصبہ کے لیے مرد ہونا شرط ہے۔

(ج) ذوی الارحام: یہ وہ وارث ہیں کہ جن کا حصہ بھی شریعت میں مقرر نہ ہو اور وہ عصبہ کی ذیل میں بھی نہ آتے ہوں' بلکہ میت اور ان میں عورت کے واسطے سے رشتہ اور قرابت ہو' یا وہ خود عورت ہوں۔ جیسے خالہ ذوی الارحام ہے' کیونکہ ماں کی بہن ہے' ایسے ہی پھوپھی بھی ذوی الارحام ہے' اس لیے کہ وہ خود مرد نہیں' اگرچہ واسطہ مرد کا ہے کہ باپ کی بہن ہے۔ پوتی گو مرد نہیں' لیکن اس کو ذوی الارحام نہیں کہیں گے' کیونکہ اس کا حصہ شریعت میں مقرر شدہ ہے۔ جو ماں شریک بہن ہے' وہ خود بھی عورت ہے اور واسطہ بھی عورت کا ہے' لیکن وہ ذوی الارحام نہیں' اس لیے کہ یہ ذوی الفروض میں داخل ہے اور اس کا حصہ مقرر ہے۔ البتہ بھتیجی ذوی الارحام ہے' لیکن بھتیجا ذوی الارحام نہیں' کیونکہ یہ میت کے بھائی کا بیٹا ہے' نہ اس رشتے میں عورت کا واسطہ آیا اور نہ ہی یہ خود عورت ہے' بلکہ یہ تو عصبہ ہے۔

مندرجہ بالا تین قسم کے وارثوں میں سے ذوی الفروض اپنے حق کے حوالے سے سب سے مقدم ہیں۔ جب تک ان کو پورا حصہ نہ مل جائے' باقی دو قسم کے وارثوں کو کچھ نہیں مل سکتا۔ اس کے بعد عصبات کا درجہ آتا ہے۔ اگر ذوی الفروض کے حصے سے کچھ بچ جائے' تو وہ باقی ماندہ ورثہ عصبات کو مل جاتا ہے۔ اگر ذوی الفروض میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو' تو پھر عصبات کو سارا ترکہ مل جائے گا اور ذوی الارحام کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ یہاں یہ نکتہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اگر ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد کچھ بچ جائے اور عصبہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو' تو یہ باقی ماندہ مالِ وراثت دوبارہ انہی موجودہ ذوی الفروض پر اسی حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا' جس حساب سے پہلے تقسیم ہوا تھا' اسی کو رد کہتے ہیں۔

ذوی الارحام کو میراث اسی وقت مل سکتی ہے جبکہ ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی بھی وارث موجود نہ ہو۔ لیکن اگر میت نے صرف زوجہ یا صرف شوہر چھوڑا ہو' تو ذوی الارحام صرف اس کی وجہ سے محروم نہ ہوں گے' بلکہ زوجہ یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا' وہ ذوی الارحام کا حق ہوگا۔ (۴)

حواشی

(۱) معارف القرآن از حضرت مفتی محمد شفیعؒ' ج ۲' ص ۳۲۷ تا ۳۲۸ مکتبہ معارف القرآن' کراچی' طبع 2015ء

(۲) تفسیر ابن کثیر مترجم' ج اول' ص ۵۵۱ تا ۵۵۲' ۵۹۷ تا ۶۳۱' مکتبہ تعمیر انسانیت' لاہور' طبع' دوم' ۱۹۸۸ء

(۳) تفسیر سورۃ النساء از پروفیسر میاں منظور احمد' ص ۶۵۰ تا ۶۵۴ و ۶۷۹ تا ۶۸۱' علمی کتاب خانہ' لاہور۔

(۴) مفید الوارثین از حضرت سید اصغر حسین' میاں صاحبؒ ص ۱۲۱ تا ۱۲۵ طبع جدید ایڈیشن ۱۴۳۴ھ ادارہ اسلامیات لاہور

❁❁❁

تعارف و تبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : مولانا عبدالرحیم اشرفؒ: حیات و خدمات (۱)

مرتب : ڈاکٹر زاہد اشرف

ضخامت : 440 صفحات قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبہ المنبر' جامعہ سٹریٹ' بالمقابل ستارہ ٹیکسٹائل ملز' سرگودھا روڈ' فیصل آباد

ڈسٹری بیوٹرز: ☆ کتاب سرائے' الحمد مارکیٹ' غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

☆ فضلی بک سپر مارکیٹ' اردو بازار' کراچی

کتاب کے مصنف ڈاکٹر زاہد اشرف فیصل آباد کی نامور شخصیت مولانا عبدالرحیم اشرف کے فرزند ارجمند ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ ملک کی مقتدر شخصیات کی آراء اور یادداشتیں ضبط تحریر میں لے آئیں جو انہوں نے مولانا عبدالرحیم اشرف کے متعلق بیان کیں۔ اس کتاب میں ستر سے زیادہ بلند پایہ افراد کے تاثرات یکجا کر دیے گئے ہیں۔

مولانا عبدالرحیم اشرف ہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے۔ وہ اسلام کے ساتھ محبت اور وطن کے بارے میں خیر خواہی کا مجسمہ تھے۔ العلم علمان :علم الابدان وعلم الادیان ۔ چنانچہ وہ ان دونوں علوم کے ماہر تھے۔ وہ نامور عالم دین' معروف دانشور' صاحب طرز خطیب' داعیٔ دینِ متین اور اعلیٰ پایہ کے طبیب تھے۔ وہ دین کے وفادار اور ملک کے خیر اندیش تھے۔ وہ پاکستان کو اسلام کا گہوارہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اس ضمن میں انہوں ن نے بساط سے بڑھ کر کام کیا۔ وہ جماعت اسلامی کے صف اول کے اکابرین میں سے تھے۔ جب جماعت میں حصولِ منزل کے طریق کار میں اختلاف رونما ہوا تو بہت سے بلند پایہ لوگ جماعت سے الگ ہو گئے' مولانا عبدالرحیم اشرف بھی ان میں شامل تھے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہے۔ ان کی پابندیٔ وقت مثالی تھی۔ وہ اتحاد بین المسلمین کے خواہاں تھے اور اس کے لیے انہوں نے ان تھک محنت کی۔ ہفت روزہ المنبر' ماہنامہ راہ نمائے صحت' خبر نامہ طب کے علاوہ انہوں نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ' جامعہ طیبہ اسلامیہ قائم کیے۔ ان

کے طبی ادارے اشرف لیبارٹریز کی خدمات سے ملک اور بیرونِ ملک فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ نظامِ اسلام کے نفاذ کے لیے آپ کی کوششیں قابلِ تعریف ہیں۔ وہ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے سربرآوردہ مبلّغ تھے۔ اپنے والد گرامی کی خدمات کے سلسلہ میں ڈاکٹر زاہد اشرف کی یہ پہلی کوشش ہے۔ وہ مزید تین جلدیں بھی شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ کتاب ایک محبّ وطن اور سچے مسلمان کا تعارف ہے۔

کتاب کی طباعت کا معیار اعلیٰ ہے۔ ٹائٹل خوبصورت اور جلد مضبوط ہے۔

(۲)

نام کتاب : تاریخ طب: عہد بہ عہد

مصنف : ڈاکٹر زاہد اشرف

ضخامت : 272 صفحات' قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبہ المنبر' جامعہ سٹریٹ' سرگودھا روڈ' فیصل آباد

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر زاہد اشرف پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کے فرزند ہیں' جو 'الولد سر لابیہ' کا مصداق ہیں۔ انہوں نے تمغۂ امتیاز حاصل کیا جو ان کی عظمت کا مظہر ہے۔

ڈاکٹر زاہد اشرف نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ عربی زبان میں تحریر کیا۔ یہ کتاب اس کے پہلے باب کا اردو ترجمہ ہے جس میں طب کی ارتقائی منازل کا بڑے سلیقے سے ذکر کیا گیا ہے۔

مقدمہ اور تقریظ کے بعد طب کی تعریف بیان کی گئی ہے' پھر کُرّۂ ارض پر طب کے آغاز' اس کے مسکن اوّل اور پہلے طبیب کا ذکر کیا گیا ہے۔

اگلے حصے میں طب کی مختلف شاخیں بیان کی گئی ہیں۔ طب بابل' طب مصر' طب ہند' طب چین' طب فارس' طب یونان کا ذکر کرتے ہوئے یونانی طب کی امتیازی حیثیت واضح کی گئی ہے۔ اس دور کے نامور اطباء بقراط اور جالینوس کا ذکر بھی ہے جن کی خدمات کا ہر دور میں اعتراف کیا گیا ہے۔ قبل از اسلام کی طب کا بھی ذکر ہے جو اکثر و بیشتر اوہام اور شرکیہ ٹونے ٹوٹکوں کی صورت میں رائج تھی۔ طب عربی اور اسلامی کے عنوان سے عہدِ نبوی' عہدِ اُموی اور عہد عباسی کا ذکر ہے کہ وہاں بھی علم طب سادگی سے بڑھ کر ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔ عہدِ نبوی کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے مذکور مختلف بیماریوں کے روحانی اور طبی علاج بتائے گئے ہیں۔ پھر اموی اور عباسی دور کا ذکر ہے جس میں کرۂ ارض کا بیشتر حصہ اسلامی سلطنت میں شامل تھا۔ اس دور میں مختلف علاقوں سے طبی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

ایک باب برصغیر میں اسلامی و عربی طب کے عنوان سے ہے' جس میں دوسرے نامور اور قابلِ قدر اطبّاء میں حکیم محمد اجمل خان کی علمِ طب میں خصوصی مہارت کا ذکر ہے۔ پھر پاکستان کے مشہور معالج حکیم نیر واسطی'

حکیم محمد سعید، حکیم محمد عبداللہ، شفاء الملک محمد حسن قرشی، حکیم عبدالرحیم اشرف اور آفتاب احمد قرشی کی خدمات کا ذکر ہے۔ حکماء کی جدّو جُہد کے نتیجے میں پاکستان میں طبی رجسٹریشن ایکٹ منظور ہوا جسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا اور اطباء کے مطب بند کر دیے گئے۔ اطبّاء کی ایک تحریک کے سلسلہ میں ایک بار پھر طبی رجسٹریشن ایکٹ منظور ہوا اور یونانی طب کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔ اس ضمن میں جنرل محمد ضیاء الحق نے یونانی طب کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں دلچسپی لی۔ تاہم طب یونانی اس انداز میں ترقی نہ کر سکی جو اس کا حق تھا۔ ابھی تک اس ضمن میں کوشش جاری ہے۔

کتاب کے مصادر اور مراجع میں نو دینی کتب، ۳۰ عربی کتب، ۲۱ اردو کتب، ۱۴ انگریزی کتب کے علاوہ ۳ ویب سائٹس شامل ہیں۔

علم طب سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے یہ ایک راہنما کتاب ہے۔ کتاب کی جلد مضبوط، سرورق خوبصورت، کمپوزنگ معیاری اور مواد مستند ہے۔ گویا ظاہری و باطنی خوبیوں کا مرقع ہے۔

(۳)

نام کتاب : دعائے محرومی

مصنف : ڈاکٹر زاہد اشرف

ضخامت : 176 صفحات قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبہ المنبر، جامعہ سٹریٹ، سرگودھا روڈ، فیصل آباد

ڈاکٹر زاہد اشرف دردِ دل رکھنے والی شخصیت ہیں۔ اپنے والد مولانا عبدالرحیم اشرف کی مانند وہ بھی معروف طبیب، ماہر تعلیم، مقرر اور خطیب ہیں۔ قومی اور ملی دردان کی تقریر و تحریر سے ہویدا ہے۔

مصنف کی ادارت میں شائع ہونے والے پندرہ روزہ ''المنبر'' میں ''دعائے محرومی'' ۱۹۹۱ سے باقاعدہ شائع ہوتی رہی۔ مصنف حساس طبیعت کا مالک ہونے کی وجہ سے ملک میں رونما ہونے والے ناگفتنی واقعات پر پریشان رہتے اور اپنے جذبات کو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے انداز میں پیش کرتے رہے۔ انہوں نے نسوانی قیادت کا دور بھی دیکھا جب اسلام سے بیگانگی کو عام کیا گیا اور اسلامی سزاؤں کو ناقابلِ عمل قرار دیا گیا۔ پھر وہ دور بھی دیکھا جب وطن عزیز کے قیام کو ایک تکلف سمجھا جانے لگا اور علامہ اقبال اور قائداعظم کے واضح ارشادات کے باوجود ملک کو سیکولر سٹیٹ بنانے کے لیے واویلا کیا گیا، جو آج تک قائم ہے۔ اس قسم کے حالات میں مصنف نے ''دعائے محرومی'' میں اپنے جذبات کو اللہ کے حضور پیش کیا کہ وہی مُستجابُ الدّعوات ہے۔

مصنف نے سود کے لین دین کو حکومتی سرپرستی حاصل ہونے کو اللہ کی ناراضگی کا سبب قرار دیا اور احکم الحاکمین سے دعا کی کہ وہ ہمیں اس قبیح نظامِ معیشت سے محروم کر دے۔ حال تو یہ ہے کہ اسلامی قوانین جو قرآن و

سنت پر مبنی ہوں ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور ان طور طریقوں کو رواج دیا جا رہا ہے جن سے عریانی اور فحاشی کو فروغ مل رہا ہے۔

مصنف اقتدار پر براجمان ہونے والے ان لوگوں سے نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہے کہ وہ عوام کو ان سے محروم کر دے اور وہ قیادت نصیب کرے جو اسلامی احکام نافذ کرے تاکہ ملک عزیز لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر رواں دواں ہو۔

الغرض ''دعائے محرومی'' عالمِ اسلام اور خصوصاً وطن عزیز کا نوحہ ہے' جس میں اللہ تعالیٰ سے استعانت کے لیے بار بار دعا کی گئی ہے۔ دعا کا لُبِ لُباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وطن عزیز میں مغربیت کو فروغ دینے اور اسلام کے ساتھ بے وفائی کرنے والوں کو اقتدار سے محروم کر دے اور اسلام کے وفاداروں کی قیادت کا فیصلہ کرے۔ ہر پاکستانی پر لازم ہے کہ مصنف کی دعاؤں پر خلوصِ دل سے آمین کہے۔

کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب' جلد مضبوط' کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ معیاری ہے۔

(مکتبہ المنبر فیصل آباد کی شائع کردہ ان تینوں کتب کے لاہور اور کراچی میں ڈسٹری بیوٹرز کے پتے شروع میں دے دیے گئے ہیں۔)

(۴)

نام کتاب : لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

مصنف : رشید اللہ یعقوب

ضخامت: 352 صفحات قیمت: فی سبیل اللہ صدقہ جاریہ

ملنے کا پتہ : رحمۃ للعالمین ریسرچ سنٹر مکان نمبر 8' زمزمہ سٹریٹ نمبر 3۔ زمزمہ کلفٹن کراچی

یہ کتاب عرض مؤلف کے 30 صفحات کے علاوہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے' جن کے عنوان اس طرح ہیں:

(۱) سورۃ الکٰفرون

(۲) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

(۳) فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ

(۴) اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

(۵) قُلْ اِنَّمَا اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَا اُشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا

(۶) وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

(۷) احادیث مبارکہ

(۸) عبادت' صراطِ مستقیم اور شرک

مصنف نے ۲۰۱۰ء میں ''اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ اور خدا'' ۲۷۰ صفحات کی کتاب لکھی۔ ۲۰۱۵ء میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد '' لکھی اور گزشتہ سال زیر تبصرہ کتاب لکھی ہے۔ ان تینوں کتابوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ مصنف اس بات کا سختی سے قائل ہے کہ لفظ ''خدا'' ہرگز نہ بولنا چاہیے اور نہ لکھنا' بلکہ ''اللہ'' کو ''اللہ'' ہی کہنا چاہیے۔ وہ لفظ خدا کے بارے میں کسی طرح کا نرم رویہ گوارا نہیں کرتا۔ اپنے اس موقف کو عام کرنے کے لیے فاضل مصنف اس موضوع پر مفصل کُتب لکھ رہا ہے اور ان کو بلا قیمت مہیا کر رہا ہے۔

اپنی ان کتابوں کو مصنف نے ملک کے بڑے بڑے دینی مدارس میں بھیجا ہے۔ مفتی صاحبان سے رائے مانگی ہے مگر اکثر نے مصنف کے حق میں فیصلہ نہیں دیا اور بتایا ہے کہ برصغیر کے اردودان نامور علمائے کرام نے اپنے تراجم و تفاسیر میں خالق کائنات کے لیے ''خدا'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ بات مسلمہ ہے کہ وہ خدا کا لفظ اللہ کے لیے اپنی بولی میں کہہ رہے ہیں' جس طرح برصغیر کے مسلمان ربا کو سود' صوم کو روزہ اور صلوٰۃ کو نماز کہہ رہے ہیں۔ کسی عالمِ دین کے بارے میں یہ بدظنی رکھنا ہرگز درست نہیں کہ اس نے خدا سے طاغوت' بت یا غیر اللہ مراد لیا ہے۔ اس بات پر علمائے دین کی تحریرات گواہ ہیں۔ مگر مصنف اپنی تحقیق کی روشنی میں ان علماء کا کوئی عذر قبول کرنے کو تیار نہیں۔ کتاب کا سرورق عمدہ ہے۔ اعلیٰ درجے کا سفید کاغذ ہے۔ کئی رنگوں کی خوبصورت طباعت ہے' جس سے مصنف کا جمالیاتی ذوق ظاہر ہے۔ مصنف اپنے موقف کو عام کرنے کے لیے اس کتاب کی اشاعت پر زرِکثیر خرچ کر رہا ہے' اور ثواب کی امید پر بلا قیمت تقسیم کر رہا ہے۔

(۵)

نام کتاب : قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

مصنف : رشید اللہ یعقوب

ضخامت: 280 صفحات قیمت: فی سبیل اللہ

ملنے کا پتہ : رحمۃ للعالمین ریسرچ سنٹر مکان نمبر 8' زمزمہ سٹریٹ نمبر 3۔ زمزمہ کلفٹن کراچی

یہ کتاب عرض مؤلف کے 61 صفحات کے علاوہ چھ ابواب پر مشتمل ہے' جن کے عنوان اس طرح ہیں:

(۱) سورۃ الاخلاص (۲) خطہ ایران (خراسان) اور کثرت معبود

(۳) خدا' خداوند' قبل از اسلام' معبود تھے (۴) خدا' خداوند پر اجماع کبھی نہیں ہوا

(۵) پندرہویں صدی کا اجماع (۶) مفتیان کرام کی خدمت میں

مصنف اپنی تحقیق کے نتیجہ میں لفظ ''خدا'' جو فارسی اور اردو میں ''اللہ'' کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتا ہے' صحیح نہیں سمجھتا۔ یہ بات درست ہے کہ ''اللہ'' خالق کائنات کا حقیقی ذاتی نام ہے اور اس کو اسی نام سے پکارنا چاہیے۔ ہاں جس طرح اردو دان صوم کو روزہ' صلوٰۃ کو نماز یا درود' ربا کو سود کہہ لیتے ہیں اور ان کے مفہوم میں کسی

طرح بھی کمی بیشی نہیں کرتے اسی طرح کبھی اللہ کو اپنی زبان میں خدا بھی کہہ لیتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی ''اِنَّ خُدَا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر'' کہے یا اذان اور تکبیر میں ''اللّٰہ اکبر'' کی بجائے ''خدا اکبر'' کہے تو وہ سنگین ترین مجرم اور گردن زدنی ہے۔ اور ایسا کبھی کسی مسلمان عالم یا عامی نے نہیں کہا۔ یہ آج کے اکثر علمائے کرام کا موقف ہے' لیکن مصنف علماء کے اس موقف کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے موقف کو عام کرنے کے لیے ایک کے بعد دوسری کتاب تصنیف کر رہا ہے۔ اب جب آپ کی تحقیق سامنے آگئی اور تسلیم کر لی گئی تو آنے والے مصنفین اس کو ضرور اہمیت دیں۔ کتاب ظاہری خوبیوں سے مزین ہے۔ مصنف کی نیت نیک اور ارادہ حصولِ ثواب کا ہے۔ پھر اس کو بلا معاوضہ تقسیم کرنا تو اس کے خلوص کا واضح ثبوت ہے۔

(۶)

نام کتاب : خدمات علماءِ سندھ اور جمعیت العلماء

مؤلف : مولانا محمد رمضان پھلپوٹو

ضخامت: 450 صفحات قیمت: 450 روپے

ناشر: جمعیت علماءِ اسلام' صوبہ سندھ

ملنے کا پتہ : (۱) مرکزی دفتر جمعیت علماءِ اسلام' کریم پارک' راوی روڈ' لاہور
(۲) مکتبہ حمادیہ' خانقاہ عالیہ' ہالیجی شریف' ضلع سکھر

سندھ کو بلا شبہ باب الاسلام کہا جاتا ہے۔ یہاں سے دین اسلام برصغیر پاک و ہند میں پھیلا۔ سندھ میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے جن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اس کتاب میں ان کا تذکرہ چھ ابواب میں کیا گیا ہے۔ پہلے چند صفحات میں تعارفی معلومات ہیں۔ باب اول و دوم میں مشائخ و علماء قادریہ راشدیہ کی سیاسی و جہادی خدمات کا ذکر ہے۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی' مولانا سید تاج محمود امروٹی' سید محمد امام شاہ راشدی' مولانا محمد صادق میمن' مولانا اسد اللہ شاہ اور دیگر علماء کی جدوجہد کا خصوصی ذکر ہے۔ باب سوم میں جمعیت الانصار کی تاسیس' حضرت شیخ الہند اور ان کی تحریک انقلاب' ۱۹۱۹ء میں بمقام دہلی جمعیت علماء ہند کا قیام' تحریک خلافت میں علماءِ سندھ کی خدمات' تحریک ریشمی رومال میں علماءِ سندھ کا حصہ بیان کیا گیا ہے۔ باب چہارم' پنجم اور ششم میں علماءِ سندھ کے حالات فرداً فرداً لکھے ہیں جن میں جمعیت کے وقتاً فوقتاً مختلف مناصب پر فائز ہونے والے افراد کے حالات اور خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کے آخری صفحات میں مصادر و مراجع کی طویل فہرست شامل ہے جو کتاب میں درج معلومات کی ثقاہت کا واضح ثبوت ہے۔ علمی تحقیق کا ذوق رکھنے والوں کے لیے یہ ایک مفید دستاویز ہے۔

(۷)

نام کتاب : اسلام اور قتل انسان

مصنف : مولانا ابوالکلام آزاد

ضخامت: 102 صفحات قیمت: 200 روپے

ناشر : مکتبہ جمال، تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار لاہور

مولانا ابوالکلام آزاد نامور عالمِ دین اور صاحبِ بصیرت انسان تھے۔ وہ حق شناس اور حق گو شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی زندگی برطانوی استعمار کے دور میں بسر ہوئی۔ وہ بے باک سیاست دان تھے۔ ان کی ساری زندگی برصغیر پر برطانوی تسلّط کے دوران گزری۔

انگریزی فوج نے ہندوستان کے لوگوں پر بے حد ظلم ڈھائے۔ پھر ترکوں اور عربوں کو بے دردی کے ساتھ ہلاک کیا۔ انگریزی فوج میں مسلمان بھی تھے جو جنگ میں اپنے مسلمان بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ اس وقت مولانا ابوالکلام آزاد نے برصغیر کے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ وہ انگریزی فوج میں شامل ہو کر ان مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں جنہوں نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا، حالانکہ قرآن مجید میں اس مسلمان کے لیے دوزخ کی ہمیشگی، اللہ کا غضب، اس کی پھٹکار اور بڑے دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے جو دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کر دے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس مسئلے کو قرآن کی واضح تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں واضح کیا۔ حق گوئی اور بے باکی کی وجہ سے حکومت ان سے ناراض رہی اور انہیں کئی دفعہ قید رکھا گیا۔

اسلام اور قانونِ قتل کے سلسلہ میں ان کی ایک ہندو دوست سے خط و کتابت بھی رہی جو بزعم خویش سچائی اور حقیقت کی تلاش میں تھا۔ اس کے ساتھ ملاقات اور اس پر راہِ صواب واضح کرنے کا بھی اس کتاب میں ذکر ہے۔ مسلم ریاست میں غیر مسلم رعایا کو عملی طور پر مسلمانوں کے برابر شہری اور ملکی حقوق دیے جاتے ہیں اور انہیں مذہبی آزادی بھی ہوتی ہے۔ ان کے جان و مال کی حفاظت ریاست کے ذمہ ہوتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ مثالی رواداری رہی ہے، مگر انگریز ہمیشہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہے اور ان کو خواہ مخواہ ظلم و زیادتی کا نشانہ بناتے رہے۔

کتاب کے آخری صفحات میں مولانا کی زندگی کے ماہ و سال ترتیب کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ کتاب تحقیق کا اچھا نمونہ ہے۔

(۸)

نام کتاب : جامع الشواہد (مساجد میں غیر مسلموں کے دخول کے دلائل)

مصنف : مولانا ابوالکلام آزادؒ

ضخامت: 112 قیمت: 200 روپے ناشر : مکتبہ جمال، تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار لاہور

مولانا ابوالکلام آزاد کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا راسخ دلائل پر مبنی لکھا، وہ ثقہ عالمِ دین اور واقعی ابوالکلام تھے۔

۱۹۱۹ء میں سوامی شردھانند نے جامع مسجد دہلی میں تقریر کی، جسے دہلی کے مسلمانوں نے ناپسند کیا۔ اس وقت مولانا رانچی میں نظر بند تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں قرآن وسنت اور حدیث سے مسکت دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ غیر مسلموں کو بضرورت مسجد میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔ مسئلے کی ہمہ پہلو وضاحت کے لیے کتاب کو 14 فصول میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں چند ایک کے عنوانات اس طرح ہیں:

- ☆ مسجد نبوی میں غیر مسلموں کا داخل ہونا ☆ اسلام کی دینی بنیاد صرف مسجد ہے
- ☆ خدا کی ساری زمین اسلام کے لیے مسجد ہے
- ☆ قرآنی آیت اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ الخ کا مطلب۔ مذہب احناف اور مسلمانوں کا عمل مستمر
- ☆ مسجد میں غیر مسلموں کا داخلہ مفید یا غیر مفید
- ☆ ایک غلط استنباط (رفع الصوت فی المساجد کا صحیح مطلب)
- ☆ ہندوستان کے ہندو کس قسم کے غیر مسلم ہیں

یہ مختصر سی کتاب اپنے عنوان کی تشریح میں بقامت کہتر وبقیمت بہتر کا مصداق ہے۔ کتاب کی جلد مضبوط اور ٹائٹل خوبصورت ہے۔

(۹)

نام مجلّہ : سہ ماہی الزیتون کی خصوصی اشاعت (شرح صحیح مسلم نمبر)

مدیر : مولانا محمد قاسم حقانی

ضخامت: 422 صفحات قیمت: درج نہیں ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

ملنے کا پتہ: مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور

سہ ماہی ''الزیتون'' شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی کی سرپرستی میں القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ سے

شائع ہوتا ہے۔ زیر تبصرہ شمارہ اس مجلّہ کی خصوصی اشاعت ہے جس میں شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی کی تصنیف شہیر شرح صحیح مسلم کے بارے میں ملک اور بیرون ملک کے نامور علماء' مشائخ' ادیبوں اور دانشوروں کی آراء اور تبصرے شامل ہیں۔ تبصرے مختصر بھی ہیں اور مفصل بھی۔ مجموعی طور پر مدارس کے مہتمم حضرات اور دیگر اہلِ علم نے اسے ایک قابل قدر کوشش قرار دیا ہے۔ بزرگ عالمِ دین شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے اسے عظیم علمی کارنامہ قرار دیا۔ مفتی تقی عثمانی صاحب کے نزدیک یہ علمِ حدیث کا بحرِ عمیق ہے۔ اس کے علاوہ شیخ الحدیث مولانا انوار الحق' مفتی زرولی خان' مولانا زاہد الراشدی' مولانا محمد اسلم زاہد اور ایک سو سے زائد معروف علمائے کرام نے اس کی تحسین کی ہے اور اسے عظیم علمی شاہکار قرار دیا ہے۔

شرح صحیح مسلم کی بارہ جلدیں طبع ہو چکی ہیں اور ابھی مزید کام جاری ہے۔ تبصرہ لکھنے والوں میں ایک سو سے زائد علمی شخصیات شامل ہیں۔ بعض علماء نے اپنے تاثرات منظوم بھی کیے ہیں جن میں کچھ عربی میں بھی ہیں۔

القاسم اکیڈمی ایک معروف دینی ادارہ ہے جو درجنوں معیاری اسلامی کتب شائع کر چکا ہے جن کو مدارس میں قبول عام حاصل ہوا ہے۔

اس مجلّہ کے آخری صفحات میں شرح صحیح مسلم کے مصنف شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی نے مصادر و مراجع کی طویل فہرست بھی درج کی ہے۔

(۱۰)

نام کتاب : افادات وملفوظات عزیزیہ

تحریر : محمد یونس عزیزی دہلوی ودیگر

انتخاب وتالیف: عتیق الرحمٰن ضخامت: 176 صفحات

ناشر: القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد نوشہرہ

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی نوشہرہ

حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جوؒ صاحبِ نسبت بزرگ تھے' وہ شیریں کلام واعظ تھے۔ ان کی گفتگو میں حد درجہ شستگی اور شائستگی تھی۔ ان کی باتیں سامعین کے دل میں اُتر جاتیں۔ وہ تبلیغی جماعت کے سابقون اولون میں سے تھے۔ ان کی پوری زندگی تبلیغ کے لیے وقف تھی۔ رائے ونڈ کا تبلیغی مرکز تو ۱۹۵۳ء میں بنا مگر شاہ صاحب اُس سے پہلے تبلیغ کے کام سے وابستہ بلکہ دل وجان سے قربان تھے۔ مہمان نوازی ان کی طبیعت کا خاصہ تھی۔

شاہ عبدالعزیز دُعا جو کا دل امت کی فکر اور شوقِ اصلاح سے لبریز تھا۔ جب گفتگو کرتے تو بات سامعین کے دل میں اتر جاتی۔ شاہ صاحب شاعر بھی تھے۔ اس کتاب کے آخری صفحات میں ان کے کچھ اشعار درج

ہیں۔ یہاں شاہ صاحب کے کچھ ارشادات عنوانات کے تحت لکھ دیے گئے ہیں۔ چند ملفوظات اس طرح ہیں‘ فرماتے ہیں:

☆ تبلیغ کیا ہے؟ خود جنت میں جائیں‘ اوروں کو ہمراہ لے جائیں۔

☆ نفس کو عقل کا محکوم رکھا جائے‘ عقل پر شرع کو حاکم بنایا جائے۔

☆ علم بغیر عمل وبال ہے اور عمل بغیر علم ضلالت ہے۔

☆ وقت انسان کا خرچ ہوتا رہتا ہے مگر وقت کو ٹھکانے لگانا یہی اپنی کمائی ہے۔

☆ اپنی نیکیوں میں خرابیاں اس طرح ڈھونڈو جس طرح گیہوں میں کنکر۔

☆ غسل واجب ہو تو پہلے حجامت نہ بنوائے‘ ناخن نہ کاٹے۔

☆ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔

☆ کم تولنا ظلم ہے‘ پورا تولنا عدل ہے اور زیادہ تولنا اکرام ہے۔

☆ ہم عقل پرست نہیں خدا پرست ہیں۔

☆ حدیث قرآن کی تفسیر ہے‘ قرآن شریف بغیر حدیث کے صحیح سمجھنے میں نہیں آ سکتا۔

☆ جس طرح مال کو ضائع کرنا گناہ ہے اسی طرح وقت کو ضائع کرنا بھی گناہ ہے۔

☆ نیکی میں ریا ہو سکتی ہے ترک گناہ میں ریا کا کیا کام۔

☆ دعوت کا کام اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔

☆ دنیا کے اندر عمر کا ایک لمحہ بھی نعمت ہے۔

☆ جس درخت میں پھل ہوتا ہے وہ جھک جاتا ہے‘ جس کو اللہ مال دے تو وہ اللہ کے سامنے جھکے۔

ایک نیک نفس بزرگ کی ناصحانہ باتیں بڑی پُر تاثیر ہیں۔

کتاب کی جلد مضبوط اور ٹائٹل خوشنما ہے۔ ❁❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے　　اشاعت عام: 30 روپے

روح الامین کی معیت میں
کاروانِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
تنزیل قرآن مجید کے تناظر میں
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سات جلدوں میں ایک منفرد دستاویز
مولف: پروفیسر ڈاکٹر تسنیم احمد
tasneem@roohulameen.com
کتاب دستیاب ہے
مکتبہ ادارہ نورِ حق، کراچی، مکتبہ دارِ ارقم، گلشن اقبال کراچی، مکتبہ ادارہ معارفِ اسلامی، منصورہ، لاہور
مکتبہ اسلامیہ، لاہور اور فیصل آباد، احمد بک کارپوریشن، راولپنڈی، بک اسٹور شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah Al-An'am

(The Cattle)

(Recap of verses 1 – 20 of Surah Al-An'am and fresh exposition of verses 21 – 41 of the same Surah, inclusive)

Translator's note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or to disrespect the status of women.

Moreover, each verse (Ayah) has been kept as a continuum in order to prevent the misrepresentation of meanings, which may occur when the verses are broken up and the translation of those verses becomes kaput when done in bits and pieces.

Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the Messenger of Allah (SAAW) are provided in italics.

The Translation of the Holy Qur'an done by the Message International – USA (www.FreeQuran.com) and edited by Saheeh International – UK, Dar Al Mountada – Saudi Arabia and Al Qummah – Egypt has been used in order to synchronize the use of modern English Language, which we believe will give a more accomplished sense of understanding to Today's mind.

Recap of verses 1 – 20 (inclusive) of Surah 6, Al-An'am

Verses 1 through 12 of the Surah are of introductory and admonitory nature. The disbelievers **[Editor's Note*: the words disbelievers and unbelievers have been used alternatively as "synonyms" in our entire discourse*]** have been warned that if they do not accept the Islamic Creed and refuse to follow the "Light" shown by the Revelation from the All-Knowing and All-Powerful Allah *(SWT)*, they would face the same doom as the former disbelievers. Their arguments for rejecting the Holy Prophet *(SAAW)* and the Revelation sent down to him *(SAAW)* have been refuted and they have been warned that they should not be deluded by the respite that is being granted to them in this worldly life.

Verses 13 through 20 of the Surah inculcate Tauhid [Monotheism, Oneness of Allah *(SWT)*], and refute shirk [polytheism] because it is the greatest obstacle in the way of the acceptance of Tauhid.

It has to be remembered that, although polytheists, the Arabs to whom these verses are (initially) addressed did acknowledge "God" as the Creator *(SWT)* of the heavens and the earth, Who *(SWT)* causes day to alternate with night, and Who *(SWT)* has brought into existence the sun and the moon. None of them attributed any of these acts to any of their idols (Laat, Hubal, Manaat, Uzza, etc.) or to any other deities. The verses declare in a strong and probing tone that why then should they prostrate themselves before others beside the real (and the only) Creator *(SWT)*? Why should they offer their prayers and supplications to any but Allah *(SWT)*? Moreover, the verses differentiate between the material creation (the earth and the skies) and the abstract creation (darkness and light), respectively.

It should be clear that Shirk not only means to prostrate before the deities but in a wider spectrum it also encompasses all prevailing beliefs that are in conflict with the meaning ascribed to "Tauhid" by Allah *(SWT)*. It is actually a disease which disguises itself and attires differently in every era.

The verses also allude to the Hour of Judgement when human beings, regardless of the age in which they lived, will be brought back to life and summoned to render an account before their Lord *(SWT)*. This term is applied both for the death of an individual, as narrated by the

Prophet *(SAAW)*: "when one dies, his resurrection is established", and for a collective death of this universe, the time of which is only known to Allah *(SWT)*.

The verses also clarify that although Allah *(SWT)* reveals signs (ayahs) repeatedly, yet the unbelievers are hell bent on denying them.

In these verses, the objection of the unbelievers that they need definitive proof of the unseen in order to accept Islam is also refuted and they are warned to bring the required reform in their lives before death approaches them. The time of death remains concealed as it is beyond human perception. Once that veil is removed, they will be assembled before Allah *(SWT)* on the Day of Judgement. This earthly life is a test whether man recognizes it or not. The Ultimate Reality, though hidden, can still be perceived by the correct exercise of human reason and intellect. In a nutshell, the real test of this life rests on having full faith in the unseen. If nothing remains unseen, then there will be no logic behind the test.

Moreover, the objection of the unbelievers regarding the status of Muhammad *(SAAW)* as the Prophet of Allah *(SWT)*, instead of some angel occupying the post of Prophethood is also rejected.

The verses also comfort the Holy Prophet *(SAAW)* and he *(SAAW)* is consoled by Allah *(SWT)* by declaring that the mockery of the disbelievers need not be taken too seriously as it is not new in the history of the Prophets *(AS)*. Moreover, the history of Islam (as well as present times) proves that the blasphemous attitude of the staunch unbelievers towards the Holy Prophet *(SAAW)* came back to bite them, when destined by Allah *(SWT)*.

The verses also contain encouragement and a pat on the back of the believers as they are being encouraged to continue doing good deeds and are being warned that even the slightest doubt (about the rewards in the Hereafter) must never flash across their minds, as Allah *(SWT)* has promised His *(SWT)* mercy and reward for them in the Hereafter.

Moreover, the verses allude to the unjust and unwise ideology of polytheism, in depth. Despite their belief in a "Creator of the universe", the polytheists also ascribe partners and helpers to Him

(SWT). In truth, it is Allah *(SWT)* alone who feeds His *(SWT)* creatures but needs not to eat or drink Himself *(SWT)*.

The verses mention that the Holy Prophet *(SAAW)* sets the "example" for others in all spheres of human existence, action and interaction himself *(SAAW)*, just like we say in our idiom that "charity begins at home." The verses decree that Allah *(SWT)* Himself *(SWT)* is witnesses that the Prophet *(SAAW)* has been designated by Him *(SWT)* and that whatever the Prophet *(SAAW)* conveys is by His *(SWT)* command.

The verses clearly state that even the biggest success of this world means nothing compared to the success in the Hereafter. Money, respect, fame and authority would end with this world and the deliverance from torment and being the object of Divine mercy is real and dependent on virtuous attributes, also identified in the verses.

The verses use many shades in the form of rational arguments with regards to Tauhid (monotheism) and enunciate that Allah *(SWT)* is the only One *(SWT)* who can take away the worries and hard times from people. Moreover, none can stop Him *(SWT)* if He *(SWT)* wants to do good with someone and nor does He *(SWT)* need to seek any permission for that. In a nutshell, Allah's *(SWT)* Powers and Authority are infinite. They encompass the whole universe and none can escape His *(SWT)* influence. The Omnipotence, Omniscience and Omnipresence of Allah *(SWT)* is elucidated time and again.

The verses provide an irrefutable reflection on the main theme of this surah, which relates to the demand of the infidels for a miracle of their choice. Again the answer is that the choice of miracle by Allah *(SWT)* is far superior, i.e., The Holy Quran!

Towards the end of this section of verses (1 – 20), a clear reference is provided viz. the knowledge of the identity of the Holy Prophet *(SAAW)* that had been given to the People of the Book, particularly to the Jews, in their Scriptures (Torah, Psalms and Gospel). Moreover, their Scriptures also tell them in no uncertain terms that God is One (and only) *(SWT)* and that none shares His *(SWT)* Godhead with Him *(SWT)*. This final part of verses 1 – 20 censures them for straying from the straight path even after having received such vivid evidence and declares them as a people who have lost their souls and who would not believe.

==

Exposition of verses 21 - 41 of Surah Al-An'am

Verse 21

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

"And who is more unjust than one who invents about Allah a lie or denies His verses (signs)? Indeed, the wrongdoers will not succeed."

This verse refers to those who falsely asserted that there were also other beings which shared with Allah *(SWT)* in His *(SWT)* Godhead, possessed divine attributes and powers, and hence 'rightly' deserved to claim from man worship and absolute service. It is also a slander to the claim that Allah *(SWT)* has selected certain beings to be His *(SWT)* chosen intimates and that He *(SWT)* has commanded - or is at least agreeable to the idea - that they should be considered to possess divine attributes, and that people should serve and revere them as they would serve and revere Allah *(SWT)*, their Lord.

By 'signs (verses) of Allah *(SWT)*' are meant the signs found within man's own being, as well as those scattered throughout the universe. They also include the signs which are manifest from the lives and achievements of the Prophets *(AS)*, as well as those embodied in the Scriptures. All these point towards one and the same truth - that in the entire realm of existence there is one Allah *(SWT)* alone and that all else are merely His *(SWT)* Creation and, hence His *(SWT)* subjects. Who could be more unjust than the one who, in utter disregard of all these signs, assigns others than the One True Allah *(SWT)* the attributes of Godhead, considering them to merit the same rights as Allah *(SWT)*, and does so merely on grounds of either conjecture, or speculation or out of blind adherence to the beliefs of his forefathers, although there is not so much as a shred of evidence founded on true knowledge, observation or experience in support of such beliefs. Such a person subjects truth and reality to grave injustice. He also wrongs his own self and everything else in this universe with which he has to deal on the basis of this false assumption.

Verse 22

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝

"And [mention, O Muhammad], the Day We will gather them all together; then We will say to those who associated others with Allah, "Where are your 'partners' that you used to claim [with Him]?"

Denying what should be affirmed and fabricating a lie on Allah *(SWT)* are two of the deadliest sins that are similar in nature. Therefore this verses addresses the manner in which on the Day of Resurrection Allah *(SWT)* will demand of the unbelievers, who used to associate partners with Him *(SWT)*, to produce them. The unbelievers had the false faith that their false deities other than Allah *(SWT)* that they worshipped and invocated would save them from the punishment and torment of the Hellfire.

<u>Verse 23</u>

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾

"Then there will be no [excuse upon] examination except they will say, "By Allah, our Lord, we were not those who associated."

Continuing the theme in the previous verse, this verse tells us that on the very first manifestation of Allah's *(SWT)* torment, the infidels will deny and later forget their most cherished beliefs – of the associates being their saviours – in order to try to trick Allah *(SWT)* and save their skins. **[<u>Editor's Note</u>: Which, of course would be of no avail, as Allah *(SWT)* is the All-Knowing!]**

<u>Verse 24</u>

انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾

"See how they will lie about themselves, and lost from them will be what they used to invent."

The verse continues the theme in the previous two verses and describes that the "partners" that the unbelievers associated with Allah *(SWT)* will be nowhere to be seen because they never existed in the first place, as it was a lie fabricated by the unbelievers. The unbelievers and polytheists will be at a total loss of argument (and will consequently be cast into the Hellfire.)

<u>Verse 25</u>

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا
بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾

"And among them are those who listen to you, but We have placed over their hearts coverings, lest they understand it, and in their ears

deafness. And if they should see every sign, they will not believe in it. Even when they come to you arguing with you, those who disbelieve say, "This is not but legends of the former peoples."

It is noteworthy that Allah *(SWT)* attributes to Himself *(SWT)* all that happens in the world as a result of the laws of nature. Since these laws were made by Allah *(SWT)* Himself *(SWT)*, the effects which result from their operation are also ultimately due to the Will and Permission of Allah *(SWT)*. The refusal on the part of unbelievers to heed the call of the Truth even when it is clear and audible stems from their arrogance, obstinacy, prejudice, ego-driven mental rigidity and inertia. It is a law of nature that when a man is not prepared to rise above prejudice in his quest for the Truth, his heart closes to every truth which is opposed to his desires. We can describe this condition by saying that the heart of that person has become sealed and when Allah *(SWT)* describes it, He *(SWT)* does so by saying that He *(SWT)* had sealed the heart of such a person. The explanation of this ‘paradox’ is that whereas we describe merely an incident, Allah *(SWT)* describes its root cause and ultimate effect.

Whenever ignorant people are called to the Truth they are liable to say that there is nothing novel about it, that it is merely a repetition of things that have come down from the past, as if in their view every truth must be new, and whatever is old must necessarily be false. The verse makes it abundantly clear that the Truth has always been one and the same and will remain so. All those *(AS)* who have come forward to lead people in the light of God-given knowledge have been preaching one and the same Truth from time immemorial, and all those who will benefit from this valuable source of human knowledge in the future are bound to repeat the same old truths. False novelties can be invented only by those who, being bereft of the light of Divine Guidance, are incapable of perceiving the Eternal Truth, preferring to weave altogether new ideas out of their imagination and putting them forward as ‘the truth’.

During the lifetime of the Holy Prophet *(SAAW)*, the leaders of Quraish plotted the way the Jewish scholars did, because they could see a large majority entering into Islam. They pretended to listen to the Prophet *(SAAW)* carefully, to create a false pretence that they wanted to profit from what was being said. This created a false

image in the minds of innocent people that their leaders had no aversion for Islam. Later they saw their leaders totally negating whatever was taught to them and never appeared to be convinced with it. This had a negative impact on the minds of those who were novice among the believers. Moreover, they put up a false charge on the Prophet *(SAAW)* that whatever he *(SAAW)* taught, were stories having no foundation or tendency towards being right and that they were "borrowed" from the ancient scriptures. Thus, according to the Sunnah of Allah *(SWT)* when people denied the call of the prophet *(SAAW)* because of their sheer arrogance and treachery, Allah *(SWT)* quenches their abilities and judgements.

Verse 26

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

"And they prevent [others] from him and are [themselves] remote from him. And they do not destroy except themselves, but they perceive [it] not."

The verse refers to the evil attitude of the disbelievers who were making every possible effort to try and stop those who were curious to find the straight path from embracing it. This, therefore, means that the leaders stopped the public or discouraged them from accepting Islam, because they had a fear of losing their leadership. They not only stopped the public from listening to the Word of Allah *(SWT)* but themselves refrained from it too. Allah *(SWT)* says that it was not a very clever trick on the part of the disbelievers, because they were, in fact, storing for themselves the torment of the Hellfire by doing such wicked acts. A congruent theme is also mentioned in ***Verse 83 of Surah Bani Israel***, "And when We show favour to man, he turns away and withdraws on his side."

Verse 27

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾

"If you could but see when they are made to stand before the Fire and will say, "Oh, would that we could be returned [to life on earth] and not deny the signs of our Lord and be among the believers."

The verse indicates that on the Day of Judgements when all veils will be lifted and the Truth would become clear to everyone,

believers and disbelievers alike, the latter would be devastated and would seek to find a way to redeem themselves. They would be so distressed by the thought of the torment of the Hellfire awaiting them that they would ask (as a wish to) Allah *(SWT)* to give them "one more chance" and to send them back to the worldly life, so that they could live as believers. Simply put they would say that "if we were sent back", "we would testify to the Truth"!

Verse 28

بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝٢٨

"But what they concealed before has [now] appeared to them. And even if they were returned, they would return to that which they were forbidden; and indeed, they are liars."

This verse elucidates that at that moment of truth (when the unseen would be unveiled) such a statement on their part would not be indicative of either any true change of heart or of any genuinely revised judgement based on serious reflection and reasoning. It would rather be the result of direct observation of reality at a time when even the staunchest unbeliever would find it impossible to deny it. Additionally, it would only be a claim made in distress of the ominous Hellfire with all its torments in store. The verse thus declares that the unbelievers will not be sincere and true in their contrition, because they were well aware of the Truth even before the Seat of Judgement, yet their arrogance and treachery halted their way. Therefore, even if the clock were turned back and they were afforded another chance of "worldly life", they would still be completely mesmerized by the wonders of this world and their love for wealth and children would come back to life, along with their arrogance and treachery.

Verse 29

وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝٢٩

"And they say, "There is none but our worldly life, and we will not be resurrected."

The verse provides a snapshot of the different types of disbelief in that age and we find that almost all of them are seen even today in some shape or form. These include outright disbelief, atheism and agnosticism. Even today we see people believing in Allah *(SWT)* but

not in the Day of Judgement and the Afterlife. Some believe in these two but deny the institution of Prophethood. At the other extreme atheists and materialists believe in life and death as a matter of chance and totally reject everything unseen, including Allah *(SWT)*, The Prophets *(AS)*, Angels *(AS)* and The Hereafter. Similarly in that age, the infidels believed in Allah *(SWT)* and the Resurrection but considered their associate false gods as their helpers and saviours from the torment of the Hellfire. There was a stratum of the society who had a belief that life is confined to this world only and there is no life in the Hereafter. This verse addresses all these various kind of people living in the world, both then and now.

<u>Verse 30</u>

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

"If you could but see when they will be made to stand before their Lord. He will say, "Is this not the truth?" They will say, "Yes, by our Lord." He will [then] say, "So taste the punishment for what you used to deny."

The verse gives a taste of things to come for the unbelievers and also shines detailed light on the "finale". Once the unbelievers will run out of all arguments and they will be forced near the Hellfire, they would be asked about the "Truth" – something that they consistently used to deny in their worldly life. They would say that verily it is the Truth, but their testimony at that time would amount to nothing. The disbelievers would then be cast into the Hellfire – the same one that they used to deny in their worldly life.

<u>Verse 31</u>

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝

"Those will have lost who deny the meeting with Allah, until when the Hour [of resurrection] comes upon them unexpectedly, they will say, "Oh, [how great is] our regret over what we neglected concerning it [i.e., the Hour]", while they bear their burdens [i.e., sins] on their backs. Unquestionably, evil is that which they bear."

This verse portrays a picture of the sheer disappointment, regret, fear and anguish that the unbelievers will experience when the Hour approaches, ushering in the Days of Judgement and Resurrection. The verse terms them as "losers", as they denied any accountability or meeting with Allah *(SWT)* after death according to the false beliefs that they held in the worldly life. The verse also explains that the unbelievers would not have any chance of redemption as their worldly life would come to an abrupt end, whether it is because of individual deaths or 'the Hour' has arrived. The unbelievers, having accumulated evil during the entire span of their worldly life, will repent once they would see the Qiyamah (Death or the Hour) as a reality and they would have no option but to carry the heavy burden of their sins and blasphemies on their backs and it will be in this manner that they will be forced to appear before Allah *(SWT)* the Almighty *(SWT)*.

Verse 32

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

"And the worldly life is not but amusement and diversion; but the home of the Hereafter is best for those who fear Allah, so will you not reason (and reflect)?"

The underlying message of the verse does not mean that earthly life has nothing serious about it and that it has been brought into being merely as a sport and pastime. What the observation made in the verse really means is that, compared with the true and abiding life of the Hereafter, earthly life is merely a transient phase, yet extremely important as whatever one sows here would be reaped in the Hereafter.

Moreover, since the Ultimate Reality is hidden (or unseen) in this world, the superficially minded, who lack true perception, encounter many a thing which causes them to fall prey to misconceptions. As a result of these misconceptions such people indulge in a variety of actions which are so blatantly opposed to reality that their life seems to consist merely of sport and pastime. One who assumes the position of a king in this world, for instance, is no different from the person who plays the part of a king on the stage of a theatre. His head is

bedecked with a crown and he goes about commanding people as if he were a king, even though he has no royal authority. He may later, if the director of the theatre wishes, be either dismissed from his royal office, put into prison or even be sentenced to death. Moreover, some people try to unravel the Unseen even though that is altogether beyond their reach. Then there are those who claim to provide sustenance to others despite the fact that they are themselves dependent on others for their own sustenance. There are others who falsely think that they have the power either to bestow honour and dignity on human beings or to degrade them, either to confer benefits or to harm them. Such people go about trumpeting their own glory but their own foreheads bear the stamp of their humble bondage to their Creator *(SWT)*. By just one twist of fortune such people may fall off their pedestals and be trampled under the feet of those upon whom they have been imposing their "God-like authority".

All these people and others must come to a sudden and preordained end with death. As soon as man crosses the boundaries of this world and steps into the Next, the reality becomes fully manifest and all the misconceptions that he used to entertain are peeled away. In short, he is shown the true worth of his belief and actions.

Nevertheless, this does not mean that we should consider the life in this world unimportant, as the life in this world is a fact and an intermittent test for the ultimate fate in the Hereafter. The verse elucidates this very important balance between the importance of the life in this world and its relation to the subsequent life in the Hereafter.

In a nutshell, "As you sow (in this worldly life), so shall you reap (in the Hereafter)!"

Verse 33

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝

We know that you, [O Muhammad], are saddened by what they say. And indeed, they do not call you untruthful, but it is the verses of Allah that the wrongdoers reject."

The verse refers to the fact that before Prophet Muhammad *(SAAW)* began to preach the message of Allah *(SWT)*, people at

large from the extended tribe of Quraish regarded him *(SAAW)* as truthful and trustworthy and had full confidence in his *(SAAW)* veracity. Only after he *(SAAW)* had begun to preach the message of Allah *(SWT)* did they call him *(SAAW)* a liar **(Editor's Note: *We recuse ourselves of such blasphemous allegations*)**. Still, during this period none dared to say that the Prophet *(SAAW)* had ever been guilty of untruthfulness in personal matters. Even his *(SAAW)* worst enemies never accused him *(SAAW)* of lying. When they did accuse him *(SAAW)* of falsehood **(Editor's Note: *We recuse ourselves of such blasphemous allegations*)**, they did so in respect of his *(SAAW)* prophetic mission. Abu Jahl for instance, was one of his *(SAAW)* staunchest enemies. On the occasion of the Battle of Badr, Akhnas b. Shariq asked Abu Jahl, when they were alone, to confide whether he considered Muhammad *(SAAW)* to be truthful or not. He replied: 'By God, Muhammad *(SAAW)* is a veracious person. He *(SAAW)* has never lied in all his life. But if every honourable office-liwa' (standard-bearing in war), siqayah (provision of water to the pilgrims), hijabah (guardianship of the Ka'bah) and nubuwah (Prophethood) – were to fall to the share of the decedents of Qusayy, what would be left for the rest of the Quraysh?' **(Ref*: Ibn Kathir, vol.3, pp.17-18.)***

In the verse, Allah *(SWT)* consoles the Prophet *(SAAW)* by telling him *(SAAW)* that by charging him *(SAAW)* with falsehood the unbelievers were calling Allah *(SWT)* untruthful. Since Allah *(SWT)* has endured this accusation with mild forbearance, leaving them free to persist in their blasphemy, the Prophet *(SAAW)* need not feel undue disquiet. Moreover, Allah *(SWT)* says to the Prophet *(SAAW)* that He *(SWT)* knows well whatever they (disbelievers) demand from him *(SAAW)* and whatever they deny from his *(SAAW)* miracles grieves him *(SAAW)*.

This verse serves as a point of climax of this section of the Surah. It clearly identifies the root cause of the disease in the hearts of the disbelievers as well as their consequential wicked actions.

Verse 34

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ

جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ۝

"And certainly were messengers denied before you, but they were patient over the denial, and they were harmed until Our victory came to them. And none can alter the words [i.e., decrees] of Allah. And there has certainly come to you some information about the [previous] messengers."

The major point emphasized in this verse is that no one has the power to change Allah's *(SWT)* Law regarding the conflict between Truth and falsehood. Lovers of Truth must necessarily pass through trials and persecution so as to be gradually tempered. Their endurance, their honesty of conviction, their readiness to sacrifice and to undertake all risk for the cause of Truth, the strength of their faith and the extent of their trust in Allah *(SWT)* must be tested. They need to pass through this phase of persecution to develop in themselves those qualities which can be developed nowhere else but on earth. They are also required to defeat the forces of ignorance and falsehood by virtue of their moral excellence and the nobility of their character. Only after they have established their moral superiority over their adversaries will Allah's *(SWT)* help arrive. No one can secure that help beforehand.

The verse also outlines the divinely specified course which has to be followed by Prophet Muhammad *(SAAW)* as he *(SAAW)* has been appointed a Messenger *(SAAW)*. Phases of this course of action include bearing the opposition patiently and this phase is surely not novel as the Prophet *(SAAW)* had been told this at various other places in the Qur'an regarding the difficult lives and hardships faced by previous Prophets *(AS)*. Moreover, Allah *(SWT)* had informed the Prophet *(SAAW)* in the beginning "verily We shall send down to you some weighty word."**(<u>Ref</u>: *Surah Muzammil, Verse 5*)**.

<u>Verse 35</u>

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ
شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۝

"And if their evasion is difficult for you, then if you are able to seek a tunnel into the earth or a stairway into the sky to bring them a

sign, [then do so]. But if Allah had willed, He would have united them upon guidance. So never be of the ignorant."

The Prophet *(SAAW)* saw that even though he *(SAAW)* had spent a long time admonishing his *(SAAW)* people due to their belief in falsehood, yet they did not seem inclined to heed his *(SAAW)* call. As a result he *(SAAW)* sometimes wished, for the sake of spreading the message of Allah *(SWT)*, for the appearance of some extraordinary sign of Allah *(SWT)* that would undermine the stubbornness of his *(SAAW)* people and lead them to accept his *(SAAW)* message of guidance towards Allah *(SWT)*. This verse embodies Allah's *(SWT)* response to the Prophet's *(SAAW)* desire. Allah *(SWT)* tells His *(SWT)* beloved Messenger *(SAAW)* not to be impatient. The Prophet *(SAAW)* is told to persist in his *(SAAW)* striving and continue to work, in conformity with Allah's *(SWT)* directives. Had it been Allah's *(SWT)* purpose to work miracles, He *(SWT)* would have done so. But Allah *(SWT)* did not consider that to be either the appropriate method for bringing to a successful completion the required intellectual and moral revolution or for the evolution of a sound, healthy civilization. Moreover, Allah *(SWT)* tells His *(SWT)* beloved Prophet *(SAAW)* that even the most vivid of miracles or tangible signs of Allah *(SWT)* would not change the unbelief of the unbelievers into belief, unless Willed by Allah *(SWT)*. The Holy Prophet *(SAAW)* is directed that he *(SAAW)* should not expect Allah *(SWT)* to fulfil his *(SAAW)* wish, as such phenomena have no place in Allah's *(SWT)* Grand Scheme of things.

Moreover, the verse elucidates that had it been Allah's *(SWT)* Will that all people should be driven to the Truth, there would have been no need to send Prophets *(AS)*, to reveal divine Scriptures, to direct believers to engage in struggles against unbelievers, and to make the message of Truth pass through the necessary stages until fulfilment is reached. The result could have been achieved by a single sign of Allah's *(SWT)* Will of "Kun" (Be). Allah *(SWT)*, however, did not want things to happen that way. He *(SWT)* Willed the Truth to be set before people with its supporting arguments so that by a proper exercise of their rational judgement, they should recognize it for what it was and thereafter freely choose to embrace it as their faith. By moulding their

lives in conformity with this Truth such people should demonstrate their moral superiority over the followers of falsehood. The Prophet *(SAAW)* and his *(SAAW)* companions *(RA)* should continually attract people of sound morals by the force of their arguments, by the loftiness of their ideals, by the excellence of their principles and by the purity of their lives. They should thus reach their goal – the establishment of the hegemony of the true faith – by the natural and gradual escalation of strife against falsehood. Allah *(SWT)* will guide them in the performance of this task and will provide them with whatever help they merit during the various stages of their struggle. Allah *(SWT)* has created man as a responsible being, bestowed upon him a degree of latitude that he may exercise, granted him the freedom to choose between obedience and disobedience to Allah *(SWT)*, awarded him a certain term of life in order to demonstrate his worth, and determined that at an appointed Hour He *(SWT)* will judge him for either reward or punishment in the light of his deeds.

Verse 36

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ط وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝

"Only those who hear will respond. But the dead – Allah will resurrect them; then to Him they will be returned."

'Those who hear' mentioned in this verse refers to those whose consciences are alive, who have not atrophied their intellect and reason, and who have not closed their hearts to the Truth out of irrational prejudice, arrogance and treachery. In contrast to such people are those who are characterized as 'dead' - who blindly follow the old familiar beaten tracks, and can never deviate from the ways they have inherited, even when these ways are plainly at variance with the Truth of the One and Only Allah *(SWT)* worthy of being worshipped.

The verse also elucidates that those who are "dead" and spend their worldly life in disbelief and falsehood would be brought back to life by the Will of Allah *(SWT)* on the Day of Resurrection and then presented for Judgement before their Creator - Allah *(SWT)* the Almighty *(SWT)*.

Verse 37

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"And they say, "Why has a sign not been sent down to him from his Lord?" Say, "Indeed, Allah is Able to send down a sign, but most of them do not know."

In this verse, the 'ayah' signifies a tangible miracle, which, in simple words means a sign from Allah *(SWT)*. The purpose of the verse is to point out that the reason for not showing a miraculous sign is not Allah *(SWT)* powerlessness. The true reason is something else which those people in their immaturity, have failed to comprehend. According to certain exegetes the reason may be Allah's *(SWT)* Will and Mercy to give a chance to the unbelievers to accept the Truth, because once a miracle has be granted on request, if the unbelievers still reject the Truth, they are destroyed for good. ***And Allah Knows Best!***

Verse 38

وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝

"And there is no creature on [or within] the earth or bird that flies with its wings except [that they are] communities like you. We have not neglected in the Register a thing. Then unto their Lord they will be gathered."

The verse addresses those who do not believe in the Truth. It uses commonly observed phenomena to develop an irrefutable argument of Allah's *(SWT)* authority over all things, alone. The verse says that if the unbelievers are concerned with miraculous signs in order to determine whether or not the message of the Prophet *(SAAW)* is indeed true, then, let them look around with open and attentive eyes. If they actually do so they will find the world full of such signs. Let them take any species of animal or bird they like. They can reflect upon the excellence of its organic structure. They will notice how its instinctive urges are in complete conformity with its natural requirements. They will also observe how wonderfully adequate are

the arrangements for providing it with nourishment; how marvellously well-determined are the limits within which it lives; how tremendously efficient is the system under which each living creature is protected, provided for, looked after and directed towards self-fulfilment; how strictly each one is fitted into the framework of the discipline devised for it, and how very smooth is the operation of the whole system of birth, procreation and death. Were one to reflect on this alone, from among the innumerable signs of Allah *(SWT)*, one would perceive fully how true the teaching of the Prophet *(SAAW)* is concerning the unity and other attributes of Allah *(SWT)* and how necessary it is to live a righteous life in conformity with the "concept" of Allah *(SWT)* propounded by his Messenger *(SAAW)*. But their eyes were neither open to perceive the Truth nor their ears open to heed admonition. Instead, they remained ignorant, preferring to be entertained by the performance of wondrous feats.

The verse also emphasises that although animals, birds and insects have their own ways and systems, such as a queen ant is the leader of the entire ant community containing worker ants, the ultimate Designer, Enforcer and Maintainer of those ways and systems is Allah *(SWT)* alone and to Him *(SWT)* will they all return on the Day of Judgement for accountability.

Verse 39

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"But those who deny Our verses are deaf and dumb within darknesses. Whomever Allah wills – He leaves astray; and whomever He wills – He puts him on a straight path."

Allah's *(SWT)* "act" of misguiding a person consists in not enabling one who cherishes being arrogant, treacherous and ignorant to observe the signs of Allah *(SWT)*. The fact is that if a biased person – one who has no real love of the Truth – were to observe the signs of Allah *(SWT)*, he might still fail to perceive them. Indeed, all those things which cause misconception and confusion would probably continue to alienate him from them. Allah's *(SWT)* "act" of true guidance consists in enabling a seeker of the Truth to benefit from the

sources of true knowledge, so that he constantly discovers sign after sign, leading him ultimately to the Truth. This verse alludes to this basic reality of the striving of people for Truth vs falsehood and the implications of both thereof.

A myriad of cases are encountered daily to illustrate this. We notice that a great many people pass inattentively over the countless signs of Allah *(SWT)* that are scattered all over the world and beyond, and ignore even those signs which are manifest in human beings as well as in plants, animals and other creations. It is little wonder, then, that they derive no lesson from all these signs. There are many who study zoology, botany, biology, geology, astronomy, physiology, anatomy and other branches of natural science. Others study history, archaeology and sociology. During the course of such studies they come across many signs of Allah *(SWT)* which, if they cared to look at them in the correct perspective, might fill their hearts with faith. But since they commence their study with a bias, and are actuated only by the desire to acquire worldly advantages, they fail to discover the signs which could lead them to the Truth. On the contrary, each of those very signs of Allah *(SWT)* contributes to pushing them towards atheism, materialism and naturalism, all rooting from their arrogance, treachery and inertia. At the same time, the world is not empty of those truly wise ones who view the universe with open eyes. For them even the most ordinary phenomenon of the universe directs them to Allah *(SWT)*.

Therefore, the phrase, "Allah sends astray" actually means that as a consequence of one's misuse of the discretion of free will, Allah *(SWT)* certifies one's aberrance.

Verse 40

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

"Say, "Have you considered: if there came to you the punishment of Allah or there came to you the Hour – is it other than Allah you would invoke, if you should be truthful?"

The verse poses a searching question. It is a common observation that whenever the infidels were confronted with a difficulty, as in a sea

storm or a life threatening situation, they tend to lose the respect for their deities and cried for Allah's *(SWT)* help. They are being questioned here that why did they turn to Allah *(SWT)* in extreme danger, something they would repeat when the biggest of all calamities – The Hour - arrives. This means that turning to Allah *(SWT)* for invocation is innate for human beings and is the Truth.

<u>Verse 41</u>

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾

"No, it is Him [alone] you would invoke, and He would remove that for which you invoked Him if He willed, and you would forget what you associate [with Him]."

Continuing the theme in the previous verse, attention is now drawn in this verse towards another sign - one observable even in the lives of those who deny the Truth. When either some great calamity befalls a person or when death starkly stares in the face, it is only to Allah *(SWT)* that the person turns to for refuge. On such occasions even the staunchest polytheists forget their false gods and cry out to the One True God – Allah *(SWT)*, and even the most rabid of atheists stretch out their hands in prayer to Him *(SWT)* (although those watching may not be aware of this happening at the time of death, as the veil is lifted only for the person dying and not for others). This phenomenon is mentioned here in order to draw an instructive lesson. It shows that devotion to Allah *(SWT)* and monotheism are ingrained in the human soul. No matter how overlaid this truth might be with darkness, some day it shakes off man's heedlessness and ignorance and manifests itself fully, potentially in this world and certainly at the time of death for all. It was the observation of this sign which had led 'Ikrimah *(RA)*, the son of Abu Jahl, to the true faith. For when Makkah was conquered by the Holy Prophet *(SAAW)*, 'Ikrimah *(RA)* fled to Jeddah and sailed from there towards Abyssinia. During the voyage the boat ran into a severe storm which threatened to capsize it. At first people began calling on their gods and goddesses. Later on, when the storm grew even worse and the passengers were sure that the boat would sink, they began to feel it was time to call on The One True God – Allah *(SWT)* – alone, for He *(SWT)* alone could save them. This

opened the eyes of 'Ikrimah *(RA)*, whose heart cried out to him *(RA)* that if there was no effective helper for them in that situation, how could there be one elsewhere? He *(RA)* also recalled that this was precisely what the Holy Prophet *(SAAW)* had constantly told people, and that it was precisely because of this preaching that they had been engaged in unnecessary violent conflict with him *(SAAW)*. This was a turning-point in 'Ikrimah's *(RA)* life. He *(RA)* instantly made up his *(RA)* mind that if he *(RA)* survived the storm he *(RA)* would go straight to the Holy Prophet *(SAAW)* and place his *(RA)* hand in his *(SAAW)*, binding himself *(RA)* in allegiance. Thereafter, he *(RA)* not only remained true to his *(RA)* word by becoming a Muslim, but spent the rest of his *(RA)* life struggling for the cause of Islam.

==

And Allah *(SWT)* Knows Best!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ’’شعبہ تحقیق اسلامی‘‘ (IRTS) کے زیرِ انتظام ابلاغِ عامہ و افادۂ عام کی ویب سائٹس

- www.tanzeemdigitallibrary.com بانیٔ تنظیم و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دروس، خطابات و تصنیفات کا جملہ تحریری مواد یونی کوڈ کے سرچ ایبل فارمیٹ (Unicode searchable format) میں دستیاب ہے۔

- www.giveupriba.com انسدادِ سود کی کوششوں کے ضمن میں جملہ معلومات، تاریخی پس منظر، عدالتی فیصلے، قرآن و سنت کے حوالہ جات، معروف تفاسیر کے اقتباسات اور شرق و غرب کے نامور مفکرین کے اقوال و تحریرات اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

- www.hafizahmedyar.com پروفیسر حافظ احمد یارؒ (سابق مدرس پنجاب یونیورسٹی و قرآن اکیڈمی لاہور) کا علمی خزانہ، قرآن مجید کی صرفی و نحوی ترکیب، بلاغتِ قرآن و آڈیو تفسیرِ قرآن اس ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

Quarterly
Jan - Mar. 2019

HIKMAT-E-QURAN

Lahore
Vol. 38 No. 1

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ